رجسٹرڈ ایل نمبر ۶

ہندوستان بھر کے سکھوں اور آریوں میں تبلیغ اسلام کے اہم فرائض کو بجالانیوالا اکیلا اخبار

یکشنبہ بتاریخ ۱۴ مارچ ۲۶ء

یھدی اللہ لنورہ من یشاء

نور

ایڈیٹر شیخ محمد یوسف

جلد ۱۸

نمبر ۲۲

[illegible] قادیان [illegible] ۱۶ [illegible]

ضوابط

چندہ سالانہ عوام سے تین روپے ۳ ؍
" ششماہی " " ایک روپیہ آٹھ آنہ ۱ ؍ ۸
" سالانہ سرپرستوں سے دس روپے ۱۰ ؍
" " امراء سے پانچ روپے ۵ ؍
" " ممالک غیر سے ۸ شلنگ

مقاصد

۱۔ اسلام کی خوبیوں اور برکات [illegible]
مذاہب پر اس کی حقیقت [illegible]
۲۔ سکھوں اور آریوں میں [illegible]
اہم فرائض کو ادا کرنا [illegible]
۳۔ دیگر مذاہب کے حملوں کا [illegible] دینا
۴۔ راعی اور رعایا کے تعلقات کو مضبوط کرنا۔

KHILAFAT LIBRARY

نور اینڈ سنز قادیان کی شہرہ آفاق دوا

اکسیر البدن

رجسٹرڈ

بدنی اور دماغی کمزوری کے لئے اکسیر اعظم

سالہا سال کی آزمودہ تیر بہدف دوا،

جسم کو چست دل میں نئی امنگ اعضا میں نئی ترنگ اور

دماغ میں نئی جولانی پیدا کرنیوالی

اب تک کئی مایوس اور زندہ درگور انسان اس کے استعمال سے نئی زندگی حاصل کر چکے ہیں

قیمت ایک ماہ کی خوراک پانچ روپے محصولڈاک علاوہ

براہ مہربانی مندرجہ ذیل پتہ سے منگوائیں

مینجر نور اینڈ سنز نور بلڈنگ قادیان ضلع گورداسپور

تین سال کا تجربہ،

ہمیشہ موتی سرمہ ہی استعمال کرو

جو جملہ امراض چشم کے لئے اکسیر ہے

جناب سید محی الدین احمد صاحب انسپکٹر پولیس ضلع ایٹہ سے لکھتے ہیں۔ کہ :-

"واقعی آپ کا موتی سرمہ بہت سے موقعوں پر نہایت ہی کارآمد ثابت ہوا۔ دکھتی ہوئی آنکھوں میں تیر بہدف ہے۔ آنکھ کی صفائی کے واسطے فوری اثر کرتا ہے۔ آنکھوں کی ہر ایک بیماری کے واسطے اس کا استعمال ضروری ہے۔ بگڑی ہوئی آنکھوں میں بہت جلد اثر کرتا ہے۔ بہت سے آدمیوں کے استعمال میں آیا ہے۔ ان جملہ صاحبان نے بہت تعریف کی۔ تین سال کے بعد جبکہ کوئی شبہ نہیں رہا۔ ان الفاظ کو لکھ سکا ہوں"۔

قیمت فی تولہ دو روپے آٹھ آنے محصولڈاک علاوہ

پتہ

مینجر نور اینڈ سنز نور بلڈنگ قادیان
ضلع گورداسپور (پنجاب)

(روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام شیخ عبد المجید پرنٹر کے چھپا۔ اور شیخ محمد یوسف پبلشر نے نور بلڈنگ قادیان ضلع گورداسپور سے شائع کیا)

ضروری اطلاع

ان دوستوں کا سال جن کے اسماء معہ نمبر خریداری درج ذیل ہیں اخیر اکتوبر تک ختم ہوتا ہے۔ ان سب کے نام یکم اکتوبر کو وی پی ہوں گے۔ اگر کسی صاحب کو کسی وجہ سے آئندہ سال کے لئے نور کا ساتھ دینا منظور نہ ہو تو وہ ۲۷ ستمبر ۲۷ء سے پہلے پہلے دفتر نور میں اپنے ارادہ سے ضرور اطلاع دیدیں۔ جو دوست نور سے جدائی اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان پر ایک گونہ افسوس تو ضرور ہوتا ہے۔ کہ وہ نور جیسے مجاہد اور غازی پرچہ کی جو تمام ہندوستان میں سکھوں اور آریوں میں تبلیغ اسلام کا واحد ذریعہ ہے۔ کے لئے تین روپے سال کی تھوڑی رقم بھی قربان نہیں کر سکتے۔ مگر ان لوگوں کی بے اعتنائی کا کیا کہنا۔ جو باوجود پیشتر اطلاع ملنے کے بھی خاموش رہتے ہیں۔ اور وقت پر وی پی واپس کر دیتے ہیں۔ اور اس سے دفتر نور کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا یہ اخلاقی گناہ ناقابل عفو ہے۔ اگر وہ ایک محب ہدیٰ پرچہ کی اعانت نہیں کر سکتے تو نقصان پہنچا کر حوصلہ شکنی بھی کیوں کریں۔

KHILAFAT LIBRARY

نمبر	نام	رقم
۱	چوہدری محمد عبد اللہ صاحب	ہے ۲ر
۲	خانبہادر مولوی غلام حسن خان صاحب	ہے
۳	خانبہادر میرزا غلام صمدانی خانصاحب	ہے
۴	منشی حبیب الرحمن صاحب	
۵	ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب	ہے ۲ر
۶	خانبہادر مولوی غلام محمد صاحب	ہے ۲ر
۷	مولوی عبد العزیز صاحب	ہے ۲ر
۸	جناب محمد موسیٰ رضا صاحب	ہے ۲ر
۹	مولوی ضیاء الحق صاحب	ہے ۲ر
۱۰	جناب محمد کلن خانصاحب	ہے ۲ر
۱۱	منشی برکت علی خانصاحب	ہے ۲ر
۱۲	شیخ محمد اسمٰعیل صاحب	ہے ۲ر
۱۳	منشی عبد الرحمن صاحب	ہے ۲ر
۱۴	ملک غلام حیدر خانصاحب	ہے ۲ر
۱۶	اخونزادہ محمد اکبر خان صاحب	ہے ۲ر
۱۷	جناب نواب محمد اکبر یار جنگ بہادر	ہے ۲ر
۱۸	مولانا محمد ابو الحمید صاحب وکیل	عـــہ
۱۹	ملک کرم الٰہی صاحب	عـــہ
۲۰	حاجی میراں بخش صاحب	ہے ۲ر
۲۱	چوہدری غلام احمد خان صاحب	ہے ۲ر
۲۲	جناب محمد رمضان علی خان صاحب	ہے ۲ر
۲۵	مولوی انوار حسین خانصاحب	صر
۲۶	منشی محمد یوسف صاحب	ہے ۲ر
۵۰	شیخ منظور علی صاحب	ہے ۲ر
۵۱	چوہدری عبد المالک صاحب	ہے ۲ر
۵۴	مولوی کرمداد صاحب	ہے ۲ر
۵۵	حکیم محمد قاسم صاحب	ہے ۲ر
۹۷	چوہدری حیات محمد صاحب ایس۔ ڈی او	ہے ۲ر
۱۱۷	شیخ حیدر علی صاحب	ہے ۲ر
۱۲۳	ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب	ہے ۲ر
۱۳۴	ملک عزیز احمد صاحب	ہے ۲ر
۱۳۵	ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب	ہے ۲ر
۱۵۷	سردار کرتار سنگھ صاحب	ہے ۲ر
۱۶۱	ڈاکٹر ظفر حسین صاحب	ہے ۲ر
۱۶۲	خانصاحب نبی بخش صاحب۔ اسد	صر
۲۲۹	چوہدری عزیز اللہ صاحب	صر
۲۳۰	منشی چراغ الدین صاحب	ہے ۲ر
۲۳۲	ڈاکٹر گوہر الدین صاحب	صر
۲۳۵	ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب	صر
۲۸۷	جناب عبد الحکیم بیگ صاحب	ہے ۲ر
۲۸۹	جناب محمد اسحاق صاحب	ہے ۲ر
۲۹۰	جناب سید محمد علی شاہ صاحب	ہے ۲ر
۲۹۲	رسالدار محمد یعقوب خانصاحب	ہے ۲ر
۲۹۷	شیخ محمد ابراہیم صاحب	ہے ۲ر
۲۹۹	جناب نور الدین صاحب	ہے ۲ر
۳۰۰	میاں غلام حسین صاحب	صر
۳۰۱	ملک محمود خان صاحب	ہے
۳۰۳	جناب منشی فیروز الدین صاحب	ہے ۲ر
۳۰۴	مولوی محمد علی صاحب	ہے ۲ر
۳۰۵	جناب محمد اکبر خانصاحب	ہے ۲ر
۳۰۶	قاضی محمد شفیق صاحب	ہے ۲ر
۳۰۷	چوہدری ظفر اللہ خان صاحب	صر
۳۰۹	ایم محمد عبد اللہ صاحب	ہے ۲ر
۳۱۰	جناب محمد اسمٰعیل صاحب	ہے ۲ر
۴۲۷	مولوی سعد الدین صاحب	ہے ۲ر
۴۲۸	چوہدری محمد قاسم صاحب	ہے ۲ر
۴۲۹	سیٹھ ابو بکر یوسف صاحب	صر
۴۳۰	ملک نادر خانصاحب	صر
۴۳۱	ڈاکٹر ایم۔ اے یوسف زئی	صر
۴۳۲	چوہدری غلام محمد خانصاحب	ہے ۲ر
۴۳۳	چوہدری عطاء اللہ صاحب	
۴۳۶	نواب محمد علی خان صاحب	
۴۳۸	مستری فقیر محمد صاحب	
۴۳۹	شیخ مقبول احمد صاحب	
۴۴۱	چوہدری باردین صاحب	
۴۴۲	جناب محمد اکبر خان صاحب	
۴۴۳	چوہدری محمد صاحب	
۴۴۴	مستری الٰہی بخش صاحب	
۴۴۵	بابو سلطان احمد خانصاحب	
۴۴۶		
۴۴۷	مستری برکت علی صاحب	
۴۴۸	بابو انعام اللہ صاحب	
۴۴۹	چوہدری نور محمد صاحب	
۴۵۳	مستری محمد الدین صاحب	
۴۵۴	منشی نور الحق صاحب	
۴۵۵	منشی شبیر احمد خان صاحب	

ایک اور ضروری اطلاع

یہ دوست جن کے نام معہ نمبر خریداری نیچے درج کئے جاتے ہیں۔ ایک ایک دو دو مرتبہ نور کا وی پی بمد امانت رکھکر یا کسی اور صورت میں واپس کر چکے ہیں۔ اور میں اب تک حسن ظنی سے یہی سمجھتا ہوں کہ درحقیقت ان دوستوں کا منشاء وی پی وصول کرنے کا تھا۔ مگر وقت پر قیمت میسر نہ آنے یا بھول جانے یا کسی اور وجہ سے وی پی واپس ہوئے۔ ورنہ یہ کس دوست سے توقع ہو سکتی ہے۔ کہ وہ جان بوجھکر نور جیسے مجاہد اور غازی پرچہ کا وی پی واپس کر دے جو تمام ہندوستان میں سکھوں اور آریوں میں اشاعت اسلام کا واحد ذریعہ ہے۔ ان دوستوں کے نام یکم اکتوبر کو وی پی انشاء اللہ ہونگے۔ اور مجھے قوی امید رکھنی چاہیئے۔ کہ یہ دوست ضرور اس مرتبہ ایسے مجاہد اور غازی پرچہ کا وی پی وصول فرما کر خصوصیت سے دعا اور شکریہ کا موقعہ دیں گے باوجود نور کو تمام ہندوستان میں سکھوں اور آریوں میں اشاعت اسلام کا واحد ذریعہ مانتے ہوئے۔ اگر پھر بھی کسی صاحب کو نور کا وی پی وصول کرنے میں کچھ تامل ہو تو وہ صاحب ۲۷ ستمبر تک ایک کارڈ کے ذریعہ اور اگر پوسٹ کارڈ پر بھی دو پیسے خرچ کرنا دو بھر سمجھیں تو پھر بیرنگ خط کے ذریعہ اطلاع دینا ان کا اخلاقی فرض ہوگا۔ تاکہ نور جس کا فنڈ پہلے ہی کمزور ہے۔ وی پی کے خواہ مخواہ کے اخراجات سے بچے۔

نمبر	نام	رقم
۳۹۹	محمد مشتاق احمد صاحب	ہے
۴۰۲	چوہدری محمد عبد الرحمن صاحب	ہے
۴۰۱	حکیم خدا بخش صاحب	ہے
۱۱۶	مولوی ثناء اللہ صاحب نظامی احمدی	ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اپنی صحت کی فکر کرو

KHILAFAT LIBRARY

مسلمان خواہ اس بات پر غور کریں۔ یا نہ کریں۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی عام صحت اور جسمانی حالت دن بدن کمزور ہو رہی ہے۔ اور اگر ابھی سے توجہ نہ دی گئی تو اندیشہ ہے۔ کہ رہی سہی صحت بھی جاتی رہے گی۔ مجھے پچھلے دنوں ایبٹ آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں مجھے کچھ روز ٹھہرنے کا بھی موقع ملا میری خواہش ہوتی تھی کہ میں روزانہ پہاڑ کی چوٹی پر جاؤں۔ مگر افسوس کہ مجھے کوئی مسلمان ساتھی پہاڑ کی چوٹی پر جانے کے لئے نہیں ملتا تھا۔ اگر ملا بھی تو زیادہ سے زیادہ دو یا تین دفعہ کے لئے اس کے بعد کسی کو ساتھ دینے کی جراءت نہ ہوئی۔ پہاڑ کی چوٹی پر مجھے بعض ہندو یا یورپین جنٹلمین تو بغرض سیر نظر آجاتے تھے مگر مسلمان بہت کم دکھائی دیتے تھے

اور ہندو عورتوں کی یہ ہمت دیکھ کر بے ساختہ تعریفی کلمات نکل جاتے تھے۔

دنیا میں صحت عجیب چیز ہے۔ صحت کے ساتھ ہی یہ دنیا وابستہ ہے۔ تندرست آدمی جس شعبہ میں بھی دخل دے گا وہ بہت حد تک کامیابی کا منہ دیکھے گا۔ ایک صحت ور آدمی اگر تعلیم حاصل کرنا چاہے گا۔ تو اس میں بھی وہ کمال پیدا کرلے گا۔ اگر تجارتی میدان میں دخل دے گا۔ تو اس میں بھی کامرانی سے ہمکنار ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک کام میں فلاح حاصل کرنیکے لئے محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے۔ اور بدون صحت کے محنت کا ہونا نہایت مشکل ہے۔ بے شک مرغن غذائیں وغیرہ بھی صحت کے لئے ضروری ہیں۔ مگر امر واقعہ یہ ہے۔ کہ مرغن غذاؤں کے ہضم کرنے کے لئے بھی عمدہ صحت کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہی غذائیں ہضم نہ ہونے کی صورت میں موت کا پیغام ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اگر آپ کی صحت قوی ہو تو سادہ غذا بھی آپ کے لئے مفید ہوگی اور زردہ پلاؤ سے زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

مسلمان جن کی صحتیں روز بروز کمزور ہو رہی ہیں۔ ابھی سے انھیں اپنی صحت کی فکر کرنی چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ روزانہ ورزش کیا کریں سیر کریں۔ ڈنڈ کریں مگدر ملائیں۔ موگریاں پھیریں۔ اکھاڑے بنائیں . . . . کمزور آدمی خود اپنے لئے وبال جان ہوتا ہے۔ تو دوسروں کے لئے وہ کیا مفید ثابت ہوگا۔ ایبٹ آباد میں میں نے صرف دو مسلمانوں کو باقاعدہ سیر کا عادی پایا۔ ایک صاحب تو وہاں کسی عدالت میں غالباً پیشکار تھے۔ اور دوسرے خلیفہ فضل حسین صاحب پنشنر سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات۔ جو باوجود بوڑھے ہونے کے سیر کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی صحت اچھی ہے۔

مسلمان مردوں کی نسبت مسلمان عورتوں کی صحت دن بدن بہت بری طرح کمزور ہو رہی ہے۔ لہذا مسلمانوں کو فوراً اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کہ وہ جس سے پردہ میں رہ کر کوئی جسمانی ورزش بجا لائیں۔ تاکہ ان کی صحت اچھی رہ سکے۔ خصوصاً شہری مسلمان عورت کی صحت دن بدن روبہ تنزل ہے۔ کیونکہ شہروں میں مسلم عورت کے لئے گھر میں ورزشیں۔ مثلاً چرخہ کاتنا۔ چکی پیسنا اور بعض حالات میں کھانا پکانا وغیرہ بھی مفقود ہو رہی ہیں۔ اگر مسلمانوں نے ابھی سے اسطرف توجہ نہ کی تو یاد رکھیں کہ مستورات کی صحت دن بدن کمزور ہوتی چلی جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آئندہ اولاد بہت ہی نحیف پیدا ہوگی۔ لہذا ابھی سے ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیئے۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالی ہے۔ سوائے بیماری یا موسم برسات کے کبھی سیر میں ناغہ نہیں کیا۔ ۱۹۱۸ء کے انفلوئنزا کے سخت حملے نے میری صحت پر نہایت ہی ناگوار اثر ڈالا۔ اور مجھے دمہ کا عارضہ ہو گیا۔ اس کے بعد قرآن پاک کے گورمکھی ترجمہ کے لئے قریباً دو سال روزانہ سولہ سولہ گھنٹے کام کرنا پڑا۔ اور اس اثناء میں اخبار کا کوئی پرچہ لیٹ نہیں ہوا۔ اور پھر شہر کی کمیٹی کا سب بوجھ بھی قریباً میرے ہی کندھوں پر تھا اور اس طرف بھی خاصہ وقت دینا پڑتا تھا۔ اور پھر اسی اثناء میں باہر تبلیغ پر کئی کئی بار جانا پڑا۔ اور اخبار کا کام اور قرآن پاک گورمکھی ترجمہ کے پروف عموماً مجھے ریل گاڑی کے کمرے میں ہی دیکھنے پڑتے تھے۔ اس قدر مشقت نے میری صحت پر ناگوار اثر ڈالا۔ اور دمہ کے ساتھ ذیابیطس کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ مگر میں نے اپنی بہترین دوا سیر کو نہ چھوڑا۔ اگرچہ میں اس کے ساتھ اور ادویات کا استعمال بھی برابر اور بکثرت کرتا رہا۔ مگر سیر کی دوا کو میں نے بہر حال مقدم رکھا۔ اب جس کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ اللہ کے فضل سے ان دونوں عارضوں میں بہت حد تک تخفیف ہو گئی ہے۔ حالانکہ اب بھی مجھے بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹروں کا مشورہ ہے۔ کہ اگر میں چھ ماہ تک قطعی آرام کرلوں تو یہ ہر دو عارضے خودبخود ہی۔ دور ہو جائیں گے۔ مگر اس دنیا میں ایک مسلمان کے لئے بے کار بیٹھنا بہت ہی مشکل ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ سال غالباً ۱۰ اگست کو مجھے لاہور سے قادیان آنے کا اتفاق ہوا۔ خدا کی قدرت جب میں بٹالہ پہنچا تو بارش اس زور شور کی تھی کہ گویا آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ اور راستہ میں قریباً تین تین فٹ اور بعض جگہ اس سے بھی زیادہ پانی موجود تھا۔ یکہ والے کو میں نے پانچ روپے حتٰی کہ چھ روپے تک بھی کہدیئے۔ مگر بارش کے زور کے باعث کوئی قادیان کی طرف منہ نہیں کرتا تھا۔ آخر میں نے پیدل چلنے کا عزم کرلیا۔ مگر بوجہ کثرت پانی کے راستہ اور کھیت سب ایک ہوئے ہوئے تھے اور اتفاق سے مجھے قادیان کے دو ہندو بھی مل گئے انہوں نے ازراہ ہمدردی مجھے نصیحت شروع کی کہ آپ کا ایسی حالت میں قادیان پہنچنا مشکل ہے۔ لہذا آپ کو آج بٹالہ ہی ٹھہر جانا چاہیئے۔ مگر روزانہ سیر کی عادت میرے کام آئی وہ دونو ہندو جنہیں اپنے چلنے پر بڑا گھمنڈ تھا قریباً دو دو میل میرے پیچھے رہتے تھے۔ اور مجھے ٹھہر کر انہیں اپنے ساتھ ملانا پڑتا تھا۔ ایک ہندو ساتھی سے نہ رہا گیا۔ اور وہ مجھ سے یہ دریافت کرنے کے لئے مجبور ہوا کہ شیخ صاحب آپ کیا کھایا کرتے ہیں؟

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ بہر حال اس امر کی سخت ضرورت

ہے۔ کہ مسلمان اپنی اور اپنی مستورات کی صحت کی فکر کریں۔ دنیا میں کمزور صحت سے بڑھ کر کوئی وبال بلکہ لعنت نہیں۔ روگی اور کمزور صحت والا آدمی نہ تو حق اللہ ادا کر سکتا ہے۔ اور نہ حقوق العباد ہی۔ وہ خود اپنے لئے اور سوسائٹی کے لئے وبال جان ہوتا ہے۔ سست اور دلدر کمزور صحت کے عاشق ہیں۔ گویا اس کی زندگی زندہ درگور ہے۔

پس اگر مسلمان دین و دنیا کے حسنات سے بار آور ہونا چاہتے ہو۔ تو فوراً اپنی صحت کی فکر کریں۔ . . جس سے تعلیم میں تجارت میں۔ صنعت و حرفت میں۔ غرضیکہ جس شعبہ میں بھی جائیں گے۔ کامرانی ان کے استقبال کے لئے کھڑی ہوگی

KHILAFAT LIBRARY

شذرات

کوئی تعجب کی بات نہیں

شیر پنجاب اپنے ۲۸ اگست کے اشو میں لکھتا ہے

کہ "اسلامی سلطنت افغانستان اور ان کے زیر اثر اسلامی علاقوں میں ہندوؤں یا سکھوں کے برخلاف کوئی ایجیٹیشن نہیں ہے"

اس کے لئے شیر پنجاب کو کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اول تو اس علاقہ میں راجپال۔ دیوی شرن شرما اور کالیچرن شرما جیسے قماش کے لوگوں کا وجود نہیں۔ اور اگر ہوں تو وہاں ان کی کوئی حمایت کرنے والا نہیں۔ لہٰذا اس وبا سے وہ ملک محفوظ ہیں۔ اگر ہندوستان کے ہندو یا سکھ بھی اس زہریلی ہوا سے محفوظ ہونا چاہتے ہیں۔ تو انہیں بھی فی الفور اس قماش کے لوگوں سے تعلق اور ان کی حمایت چھوڑ دینی چاہیئے

شان کبریائی

خدا کی قدرت ۲۴ اگست کا پرکاش لکھتا ہے۔ کہ

"مسلمانوں کو سنگھٹن یا اتحاد کا سبق مہاتما گاندھی نے دیا مگر یہ ایڈیٹر پرکاش کی خطرناک بھول ہے۔ مسلمانوں کو سنگھٹن و اتحاد کا سبق آج سے تیرہ سو سال قبل ایسا دیا جا چکا ہے کہ جس سے دیگر ادیان اور اقوام محروم ہیں اور سنگھٹن کا منتر وہ اتحاد کا گر کیا ہے۔

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

تمام مسلمان اس کلمہ طیبہ پر جمع ہیں۔ اور یہ اسلام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اور اس مرکزی نقطہ کی برکت اور اس سنگھٹن و اتحاد کے منتر کا کم از کم ایڈیٹر پرکاش کو تو قائل ہو جانا چاہیئے۔

دیگراں را نصیحت

۲۴ اگست کا پرکاش لکھتا ہے۔ کہ

"دنیا میں لیڈر اور پیرو دونوں کے حقوق اور دونو کے فرائض ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان مہاتما گاندھی سے امداد کی توقع رکھتے ہیں۔ تو ان کا فرض ہے۔ کہ وہ ان کی نصیحت کو وزن دیں"

مسلمانوں نے تو بحیثیت مجموعی کبھی جناب گاندھی جی کو اپنا لیڈر تسلیم نہیں کیا۔ مگر پھر بھی ایک نیک دل اور نیک نیت انسان ہونے کی وجہ سے مسلمان ہمیشہ جناب گاندھی جی کی باتوں کی طرف توجہ دیتے رہے۔ مگر مہاتما گاندھی کو لیڈر ماننے والی آریہ سماج بلکہ ایسے لیڈر پر فخر کرنے والی آریہ سماج نے گاندھی جی کی نصیحت پر کیا عمل کیا۔ جب جناب گاندھی جی نے آریہ سماج کو چند کھری کھری سنائیں کہ آریہ سماج کو لڑنے جھگڑنے کی اس قدر عادت ہے کہ اگر انہیں کوئی اور لڑنے جھگڑنے کے لئے نہ ملے تو یہ پھر خود باہمی ہی لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو اس وقت سب سے زیادہ یہی پرکاش ہی اپنے لیڈر کے گرد ہوا تھا اور اپنے مہاتما جی کو وہ وہ سنائیں تھیں۔ کہ اگر گاندھی جی کی رائے میں آریہ سماج کے متعلق کچھ خامی تھی تو اس وقت پرکاش کے اس پارٹ نے اس خامی کی خاطر خواہ تلافی کر دی تھی۔

دیر کے بعد ہوش آئی

۲۴ اگست کا پرتاپ لکھتا ہے کہ

"اس سے پہلے دہلی کے رسالہ "پیشوا" نے سیوا جی مہاراج کی ذات پر نہایت گراہوا حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد "لائٹ" نے۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ہندوؤں کے بڑے آدمیوں کو بدنام کرنے کے لئے یہ ایک منظم سازش ہے۔ جس کا ظہور کبھی دہلی میں ہوتا ہے اور کبھی لاہور میں۔ ہم مسلمان لیڈروں کی توجہ اس پرچہ کی طرف دلاتے ہیں اور ان کے نام پر اپیل کرتے ہیں ... ان سے پوچھتے ہیں۔

کہ کیا اس قسم کے مضامین سے ملک کی فضا مکدر نہیں ہو رہی"

اگر پیشوا یا لائٹ نے اپنے پرچہ میں کسی ہندو بزرگ کے خلاف نا واجب کلمات کا استعمال کیا ہے۔ تو ہم اسے سخت ناپسندی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اسلامی شان کے بعید ہے۔ باقی رہا پرتاپ کا یہ کہنا۔ کہ "کیا اس قسم کے

مضامین سے ملک کی فضاء مکدر نہیں ہو رہی ہے"

مگر اس وقت پرتاپ کا مالک و ایڈیٹر مہاشہ کرشن کہاں گیا ہوا تھا جبکہ اس کے دفتر ہی سے راجپال کی طرف سے مسلمانوں کے برخلاف ایک گندی کتاب چھپوائی گئی۔ اور پھر بڑے شد و مد سے مقدمہ کی پیروی کی گئی۔ اس وقت یہ ناصح مشفق کہاں گیا ہوا تھا۔ جبکہ کالی چرن نے اور دیوی شرن شرما نے مسلمانوں کے برخلاف سخت گندہ دہنی سے کام لیا کیا اس وقت ملک کے اس بہترین ہمدرد نے خفیف سے خفیف جھاڑ بھی ان امن سوز لوگوں کو ڈالی۔ بلکہ ایک طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ جب مسلمانوں کی واجب الاحترام ہستی جن پر مسلمانوں کے مال اور جان قربان ہیں۔ کوئی آریہ دریدہ دہنی سے کام لے تو ملک کی فضاء نہ بگڑے۔ بلکہ آزاد نکتہ چینی کا دروازہ کھلا رہے۔ اور جب سیوا جی کے متعلق لکھا جائے۔ تو ملک کی فضا بگڑ جائے۔ آریوں کی یہ منطق بہت عجیب ہے۔ ہم نہ کسی ہندو بزرگ کی نسبت برا لکھا جانا پسند کرتے ہیں۔ اور نہ اپنے بزرگ کی شان میں سوء ادبی کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت کر سکتے ہیں مگر آریہ سماج میری یہ نصیحت یاد رکھے کہ اگر وہ ملک میں حقیقی امن کی خواہشمند ہے۔ تو دوسرے کے گھر لگتے وقت یہ لیسنز دیتا ہے آگ ہی نظر آنی چاہیئے

انچہ بر خود نہ پسندی بہ دیگراں مپسند

تشدد کا حامی کون ہے

ڈاکٹر مونجے نے یہ کہا کہ "صرف بم کے گولے کام نہیں آ سکتے۔ جو بعض اوقات حکومت کو پریشان کر دیتے ہیں۔ بلکہ اب لاٹھی چلانے کی بھی ضرورت پیدا ہو گئی ہے"

(انقلاب ۲۴ اگست)

نور۔ کیا اس تعلیم کی موجودگی میں بھی ہندوؤں کو یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ اسلام پر تشدد کا الزام لگائیں"

KHILAFAT LIBRARY

ہندو سبھا اور تحریک شدھی

تحریک شدھی کے کامیاب بنانے کے لئے آج کل آریہ ہندو جسقدر بے چین ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ مگر خود ہندو سبھا اس تحریک شدھی کو کس نظر سے دیکھتی ہے۔ اور اس سے کہاں تک کہاں تک ہمدردی کا ثبوت دیتی ہے۔ وہ ذرا ملاحظہ ہو۔ بنارس کے جلسہ عام میں ہندو سبھا نے شدھی کے متعلق جو ریزولیوشن پاس کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"غیر ہندوؤں کا ہندو دھرم میں داخلہ

یہ مہا سبھا سناتن دھرم پریشد کے فیصلہ کو قبول کرتی ہے کہ۔ جس کسی غیر مذہب کے ماننے والے بھائی بہن کو ہندو دہرم کے پوتر سدھانتوں میں شردھا اور ایمان ہو جائے۔ اور وہ ہندو ہونا چاہے۔ وہ ہندو ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا کسی موجودہ برن و ذات میں داخلہ نہ ہو سکے گا۔"

(دستخط پنڈت مدن موہن مالویہ پردھان مئی ۱۹۲۳ء)

کیا اس ریزولیوشن کی موجودگی میں لوگوں کو شدھ ہونے کی دعوت دینا ان کے ساتھ صریح مذاق نہیں ہے جب آپ انہیں کوئی ورن (ذات) دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو ایسے "بحث" سے کیا فائدہ جس کے حاصل کرلینے کے بعد بھی داخلہ کی راہیں مسدود ہیں۔

نو آریہ کانفرنس اور تحریک شدھی

یہ تو ہندو سبھا کی حالت ہے اب ذرا آریہ سماج کو لیجئے۔ جو سب سے زیادہ شدھی کا علم بردار اور بڑے بول بولنے میں کسی کو اپنا ثانی نہیں سمجھتا۔ اور جس کے خیال میں آریہ سماج سے بڑھ کر اور کوئی روادار نہیں ہے۔ اس شق میں وہ خود کتنے پانی میں ہے۔ اس کے لئے شانتی سروپ نو آریہ کا حسب ذیل واویلا ملاحظہ ہو جو اس نے نو آریہ کانفرنس کی تحریک کرتے ہوئے کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں۔

"اگر نو آریہ بھائیوں کی تکلیف کا احساس نہ کیا گیا۔ تو زمانہ دور نہیں۔ کہ شدھی کا دروازہ بہت حد تک بند ہو جائے گا یہ ایک عظیم الشان خطرہ ہے۔ جس کے لئے نو آریہ بھائیوں کو ابھی سے عملی غور و خوض کرنا چاہیئے۔ اس خطرہ کو مد نظر رکھکر اس کانفرنس کا انعقاد وجود میں آیا ہے۔ تاکہ ہم نو آریہ بھائی آپس میں ہی روٹی بیٹی کا ووہار کریں۔ کیونکہ مذہبی تبدیلی کے ساتھ ساتھ روٹی بیٹی کا مطالبہ ہماری پوزیشن کو خراب بنانے والا اور روٹی بیٹی کے مسلہ کو مشکل ترین حالت میں پہنچانے والا ہے۔

اور آریہ بھائیوں کو بھی ہم پر کوئی اعتراض کئے بغیر اس کانفرنس کی تن من دھن سے سہایتا کرنی چاہیئے۔ ورنہ ہم پر بصورت مخالفت صریح ظلم ہوگا۔ کیونکہ مخالفت کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ نہ آپ ہماری تکالیف دور کرتے ہیں۔ اور نہ ہم کو ہمارے سنگھٹن دوارا تکالیف دور کرنیکا موقعہ دیتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آریہ بھائی ٹھنڈے دل اور دور اندیشی و عملی نکتہ نگاہ سے ہمارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھکر اسے دور کرنے کا عملی وچار کریں گے اپنی چودہ سالہ پراز احتیاط زندگی بسر کرنے کے باوجود جو کچھ مجھ پر بیتا۔ وہ میں ہی جانتا ہوں۔ جس کا بیان کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے میں چودہ سالہ تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں۔ کہ نو آریہ بھائیوں کو مل کر انہیں اپنے دکھ دور کرنے کا موقعہ دیا جائے۔"

نوٹ۔ کیا یہ سطور ہمارے کسی حاشیہ کی محتاج ہیں۔

اسلام کا طریق عمل

الحمد للہ اسلام میں نو وارد کے لئے یہ مشکلات نہیں ہیں مسلمان ہر نو وارد کو اپنے گوشت پوست سمجھکر انہیں اپنے گلے لگانے کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ اس کے لئے اسلام کی بنیاد نیشنلزم پر نہیں بلکہ ہیومنیٹی پر ہے۔ اسلام بنی نوع آدم کا ہمدرد اور خیر خواہ ہے۔ اس میں کوئی ورن نہیں۔ برہمن ازم کا یہ خطرناک دشمن ہے۔ اکرمکم عند اللہ اتقاکم اس کا ماٹو ہے۔ جس کے نتیجہ میں اسلام کا ہاضمہ بہت زبردست ہے۔ برخلاف اس کے آریہ سماج اس رو میں صرف اسلام کا شاگرد ہے۔ اور اس کی نقل اتارتا ہے مگر اصل اور نقل میں ہمیشہ فرق نمایاں ہوا کرتا ہے۔ آریہ سماج نو واردوں کے لئے آج تک روٹی اور بیٹی کا سوال حل نہیں کر سکا۔ اور نہ ہی کر سکے گا۔ کیونکہ اس کے لئے بزرگان اسلاف کے نمونوں کی ضرورت ہے۔ اور آریہ سماج میں اس کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ تنگ آکر پنڈت بھوجدت آنجہانی ایڈیٹر آریہ مسافر آگرہ کو یہ لکھنا پڑا تھا۔ کہ جو مسلمان آریہ ہونا چاہیں۔ وہ اپنی شادی کے بعد آئیں۔ کیونکہ آریہ سماج کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔

نو آریوں سے خطاب

کیا اس موقعہ پر نو آریوں سے ہمارا خطاب نامناسب تو نہ ہوگا۔ کہ اگر آپ لوگوں کو آریہ سماج کے خیالات اچھے لگے ہیں۔ تو آپ کو مبارک ہوں۔ مگر بعض باتیں ایسی ہیں کہ جنہیں آپ کو علیحدہ گی میں ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ وہ مذہب جو اس لوک میں آپ کے مشکلات حل نہیں کرسکتا۔ تو پر لوک میں آپ کو کیا سکھ دے سکتا ہے۔ آریہ بنالنے کے بعد وہ آپ کو جنیو بھی پہنا دیں گے اور آپ کو باتوں میں خوش کرلنے کے لئے پنڈت وغیرہ کے قابل احترام الفاظ بھی کہدیں گے۔ مگر جب بحیثیت مجموعی سوسائٹی آپ لوگوں کو اپنے میں جذب کرنے کے لیے تیار نہیں۔ شعبہ زندگی کے روٹی اور بیٹی کے اہم سوال کو حل کرنے کے لئے آپ لوگوں کے راستہ میں سخت ترین مشکلات ہیں۔ اور تمدن کی اس ضروری شق میں آپ گھر بار جائیداد اور رشتہ داروں کو چھوڑکر بھی آپ ایسے ہی اچھوت ہیں جیسا کہ اس اپنے نئے جامہ میں آنے سے پہلے تھے۔ تو بتلائیے عملی رنگ میں آریہ سماج نے آپ کو کیا فائدہ پہنچایا اور کیا ایسی زندگی کو وقار کی زندگی آپ کہہ سکتے ہیں۔ اور اس پر فخر کر سکتے ہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ کر اس کا جواب دیں۔

عورتوں کا احترام

ہمارے ہندو دوست یہ کہتے نہیں تھکتے کہ پراچین (قدیم) زمانہ میں ہندوستان میں عورتوں کا بہت احترام تھا۔ اور جو احترام ہندو دھرم عورت کو دیتا ہے۔ کوئی اور مذہب اس کا عشر عشیر بھی دینے کے لئے تیار نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہندوؤں کو مبارک مگر جہاں تک واقعات کا تعلق ہے۔ وہ ہمارا ساتھ نہیں دیتے اخبار جاگرت لائل پور کے ۲۴ر اگست کے پرچہ میں ایک نظم چھپی ہے۔ جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

جب چیر کھینچنے کو تیار تھا دوشاشن ۔ تھا کون دروپدی کا تیرے سوا ہٹکنو
کوشش تمام کرلی ارجن نے بر نمو ہن ۔ مونے نہ پایا ابلا کا چیر دو سجن
بھگتی کو دروپدی کی اونچا دکھایا تونے ۔ سارھی کے بھار نے کا بدلہ چکایا تو

اگر بقول ہندو صاحبان یہ صحیح ہے کہ ہندو مذہب میں بھی عورت کا بہت وقار ہے۔ تو پھر بھری مجلس میں دوشاشن کو یہ حوصلہ کیوں ہوا۔

کیا اب بھی اورنگ زیب کو الزام دینگے

آریہ اور ہندو لوگ حضرت اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام لگایا کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ ایسے اور ویسے سلوک کئے۔ مگر ۲۴ اگست کے اخبار جاگرت لائل پور میں شری کرشن جی کے متعلق ایک نظم شایع ہوئی ہے جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

کوروسے لڑنے جب ارجن گیا مقابل
دیکھا کہ ہے گرو بھی ان میں کھڑا مقابل
پھر آنکھ جو اٹھائی دادا بھی تھا مقابل
بولا کہ ناتھ سارا کنبہ ہوا مقابل
ان کو ہنوں گا کیونکر جگدیش پران گھاتک
کھشتری کا دھرم یہ ہے پریوار کا نہ گھاتک
کم ہمتی یہ تونے بھگوان مٹا لی تونے
میدان جنگ میں جب گیتا سنائی تونے
درشن دکھا کے اسکی ہمت بڑھائی تونے
کوروکو ان ہی پراجے آخر دلائی تونے

کیا کرشن جی کے اس طرز عمل اور تعلیم کی موجودگی میں ہندو صاحبان کو حضرت اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ پر زباں درازی کا حق پہنچتا ہے۔

ستیارتھ پرکاش کا نیا ایڈیشن

۲۰؍اگست کا پرکاش لکھتا ہے کہ

"آریہ پرشوں کو یہ بات نوٹ کرلینی چاہیئے کہ اردو ستیارتھ پرکاش کا صرف یہی ترجمہ مستند ہے"۔

لوگوں کو یہ سطور پڑھ کر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش کا ہر نیا ایڈیشن آریوں کے نزدیک مستند ہی ہوتا ہے۔ گویا یہ نئے ایڈیشن کے بعد جو پہلا ایڈیشن ہوتا ہے اس کا مستند ہونا مشتبہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ بھی صحیح کیونکہ ستیارتھ پرکاش کا ہر نیا ایڈیشن کچھ نہ کچھ ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ اپنے ساتھ لاتا ہے۔ خدا کی قدرت وہ لوگ جو اس وقت تک اپنی مذہبی کتاب پر بھی مطمئن نہیں۔ اور اس کے ہر نئے ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ قران جیسی مستند بالذات کتاب پر حملہ کرنے کی بھی جرارت کرسکتے ہیں۔ کیا ہم اس "دلیری" کے لئے آریہ سماج کی تعریف کریں

KHILAFAT LIBRARY

ایسے لوگ بمنزلہ جزام ہیں

انقلاب ۱۰ ۱۹ اگست کے اشو میں لکھتا ہے کہ:۔ "آجکل بھی بعض اخباروں کے خلاف اسلام اور شارع اسلام کی توہین کے الزام میں مقدمات چل رہے ہیں ان کے متعلق ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ توہین آمیز مضامین بعض ایسے مسلمان اخبار نویسوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ جو ہندو جرائد کے مالکوں سے اجرت لے کر ان کے حسب خواہش مضامین لکھدیتے ہیں۔ ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کہ کوئی شخص مسلمان کہلانے کے باوجود یہ جرارت بھی کرسکتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے آقائے دوجہاں صلعم کے خلاف ناگوار باتیں لکھے اس قسم کے لوگ یقیناً دل سے مسلمان نہیں ہیں۔ اور ان کا مذہب محض پیسہ ہے"۔

اگر یہ صحیح ہے۔ تو ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ ایسے بے اصولوں یا بے حیاؤں کے نام ظاہر کئے جائیں۔ تاکہ لوگ اس قسم کے گندم نما جو فروشوں سے بچیں۔ باوجود معلوم ہونے کے ایسے لوگوں کے نام ظاہر نہ کرنا یقیناً ان کے جرم میں اعانت کرنا اور انہیں دلیر بنانا ہے۔

اسلام کی ترقی اور ڈاکٹر مونجے

مخاطب ہو کر آپ نے کہا کہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ حلق صرف میرا ہے لیکن آواز ڈاکٹر مونجے کی سنا رہا ہوں آپ فرماتے ہیں۔

سندھ۔ بلوچستان ؟ پنجاب، یوپی۔ افغانستان وغیرہ میں ہندوؤں کی آبادی صرف پچاس سال پہلے مسلمانوں کے مقابلے میں ۔، فی صدی تھی لیکن آج کل ۵۵ فی صدی مسلمان ہیں۔ اور ۴۵ فی صدی ہندو رہ گئے ہیں۔ اسی لئے مشرقی بنگال کے اکثر دیہاتوں میں آج کل ہندو دس فی صدی سے زیادہ نہیں ہیں۔ افسوس کہ اب بنگال ہندوؤں کا صوبہ نہیں رہا۔ بلکہ مسلمانوں کا ہوگیا ہے۔ میں یہ خیال کرتے ہوئے لرزتا ہوں۔ کہ پچاس سال بعد ہندوؤں کا کیا حشر ہوگا خطرہ ہے کہ بنگال بھی کشمیر بن جائے گا۔ جہاں مسلم آبادی ۹۵ فی صدی ہے"۔ (پرتاپ ۲۶ اگست)

نور۔ اب سوال صرف اس قدر ہے۔ کہ اس پچاس سال کے اندر اندر صوبہ بنگال پر کون سا جابر و قاہر مسلمان بادشاہ چڑھ کر آیا۔ جس نے ان لوگوں کو زبردستی مسلمان بنالیا۔ کیا ان واقعات کی موجودگی میں دیانت اور امانت کے منہ آریوں یا ہندوؤں کو یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ اسلام پر یہ الزام لگائیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اسلام ہر زمانہ میں صرف صداقت اور خوبیوں کی وجہ سے اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اور ہوتا رہیگا۔

ذات پات کے بندھن کا افسوسناک نتیجہ

ایک صاحب مسٹر الفریڈ ڈبلیو سلنگ نامی بائیسکل پر بارہ بنکی سے واپس آرہے تھے انہوں نے لکھنؤ سے بارہ میل اس طرف ایک سادھو کو سڑک پر پڑا ہوا دیکھا۔ جس کی آنکھیں اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔ ہاتھ پاؤں اکڑ گئے تھے۔ منہ کھلا ہوا اور پیاس سے خشک تھا۔ مسٹر سلنگ نے بائیسکل سے اتر کر دیکھا تو سادھو بالکل بیہوش تھا۔ وہ پانی کے لئے آگے بڑھے تو چند آدمی ان کو سڑک پر ملے۔ جن سے انہوں نے سادھو کا حال بیان کیا۔ اور اسے پانی پلانے کو کہا۔ مگر ان لوگوں نے ذات کی بندشوں سے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر بمشکل انہوں نے ایک آدمی کو آمادہ کیا۔ اور سادھو کو پانی پلایا۔ مگر وہ اس کے حلق کے نیچے نہ اتر سکا۔ کیونکہ گلا بالکل خشک ہوگیا تھا۔ مسٹر موصوف نے درخت سے کچھ پتے توڑ کر سادھو کا چہرہ ان سے ڈھانپ دیا۔ اور بدن پر اس کی دھوتی اڑھا دی۔ اور اسی حالت میں اس کو حافظ حقیقی کے سپرد کرکے چلے آئے۔

(پرتاپ ۲۶؍اگست)

کیا یہ واقعہ ہمارے کسی حاشیہ کا محتاج ہے۔ اور پھر اس کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو بسا اوقات یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اہنسا پرمو دھرما ہمارا اصول ہے۔ جب اپنے ہی لوگوں کے ساتھ ان کا یہ سلوک ہے۔ تو پھر دوسروں کا گلہ ہی کیا۔ آریہ سماج وغیرہ مسلمانوں کو اشدھ کرنے سے قبل اپنی سوسائٹی سے اس قسم کے خرابیاں دور کریں۔ ایسی چونکا دینے والی خرابیوں کی موجودگی میں دوسروں سے چھیڑ چھاڑ کرنا کہاں تک درست ہے۔

مسجد کے سامنے باجہ

۲۴ اگست کا پرتاپ لکھتا ہے کہ کلکتہ خلافت کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے مولانا محمد علی نے کہا کہ:۔

"مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق میں ہندوؤں کو اجازت دینے پر بھی مفاد وطنی کے لئے رضامند ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ جب ایک مسلمان حقیقی طور پر نماز ادا کر رہا ہو۔ تو باجہ کی آواز اس کی عبادت میں مخل نہیں ہو سکتی"۔

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ جو مسلمان اس سوال کو مذہبی رنگ دے رہے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں"

مگر جو ہندو مسجد کے سامنے باجہ بجانے کو مذہبی رنگ دے رہے ہیں۔ ان کے تو سراسر غلطی ہونے میں شبہ ہی کیا کیونکہ وہ تو پرتاپ کے اپنے ہیں۔ جب تک ہندوؤں کے دلوں میں یہ وسعت نہ ہو کہ ہم بے فائدہ باجے کا شور و غل کر کے مسلمانوں کی عبادت میں مخل نہ ہوں۔ اور مسلمانوں کے دل میں فراخی پیدا نہ ہوگی۔ کہ اگر نماز کے وقت ہندو باجہ کے ذریعہ شور و غل کر کے اپنی کسی مذہبی فرض کو بجا لا رہے ہیں۔ تو بجا لانے دو تب تک دونوں اقوام میں صلح کی منزل دور رہے گی۔

ہندو ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں

سرحدی ہندوؤں کی نقل وحرکت پر آج کل ہندوؤں میں بہت کچھ لے دے ہو رہی ہے۔ مگر ہندوؤں کو کبھی علیحدگی میں اس پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ

"ہندو سینکڑوں سال سے سرحد میں آباد ہیں۔ ہمیں بتایا جائے کہ پہلے کبھی ایسے واقعات کیوں پیش نہ آئے۔ سرحد کے مسلمان پہلے بھی ویسے ہی جوشیلے اور دینی امور میں بے انتہا غیور تھے جیسے کہ اب ہیں لیکن پہلے ایسی حرکت کیوں نہ ہوئی؟ ہندوستان کے طول و عرض میں بیسیوں فساد ہوئے جن کے ضمن میں جا بجا مسلمانوں کی مظلومیت کے خونچکاں مناظر پیش آئے۔ مسجدوں کے سامنے باجے بجانے یا عید کے مواقع پر گاؤکشی کو روکنے یا پیپل کی شاخ کٹنے پر مسلمانوں کا خون بہانے کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ یہ تمام واقعات سرحدی قبائل کو معلوم ہوتے رہے۔ مگر کسی شخص نے کسی ہندو کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ سامنے آیا۔ تو اس پر سب کا

KHILAFAT LIBRARY

بگڑنا لازمی تھا۔

اب بھی اگر ہندو دوست چاہتے ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں میں دائمی صلح کی بنیاد رکھی جائے۔ تو اس کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ جن امن سوز لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کی شان مبارک میں گستاخی سے کام لیا ہے۔ علانیہ ان سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ اس کے متعلق ذرا مسلمانوں کی ذہنیت ملاحظہ ہو۔ ایبٹ آباد میں جب مینے اور مولانا غلام محی الدین صاحب پلیڈر نے ڈاکٹر گوکل چند صاحب نارنگ کی زبان سے یہ سنا کہ کسی مسلمان نے شری سیتا اور جناب کرشن جی کی شان میں گستاخی سے کام لیا ہے تو ہم نے وہیں نفرت کا اظہار کیا۔ اور پھر میں نے اس کا ذکر ۳ ستمبر کے اخبار میں بھی کر دیا۔ کیا کسی ہندو کو یہ جراءت ہے۔ کہ وہ راجپال۔ دیوی شرن شرما یا کالی چرن وغیرہ کو ان کی امن سوز تحریروں اور روش کے متعلق جھاڑ ڈالنے کا یارا کر سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کو آئندہ کے لئے جراءت ہو سکتی۔ اور نہ ہی گورنمنٹ کو آئندہ کی روک تھام کے لئے نیا قانون وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

ڈاکٹر انصاری کی نیک خواہش

ڈاکٹر انصاری کی یہ خواہش مبارک ہے۔ کہ ہندو مسلمانوں میں صلح ہو جائے۔ کون بہی خواہ ملک ہے جو ہندو مسلم کشیدگی کو ایک منٹ کے لئے بھی پسند کر سکتا ہو۔ مگر جب تک ہندوؤں میں راجپال کالی چرن اور دیوی شرن شرما جیسے لوگ اور ان کے حامیوں کا وجود قائم ہے۔ صلح کی خواہش ایک سراب کے دھوکہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ کم از کم اگر ہندوؤں کے بعض ذی مقتدر لوگ کالی چرن یا دیوی شرن وغیرہ سے نفرت کا اظہار کر دیتے۔ تو بھی مسلمانوں کو یہ امید ہو سکتی تھی کہ پانچ انگلیاں یکساں نہیں۔ مسلمان نہ تو کسی کے مذہبی بزرگ کی شان میں گستاخی کرنا پسند کرتے ہیں۔ اور نہ اپنے بزرگ کی شان میں سن سکتے ہیں۔

ڈاکٹر انصاری کے حق میں جو کانگرس کی صدارت کے لئے کہیں کہیں سے آواز بلند ہوتی ہے۔ یہ زیادہ اچھا ہو کہ وہ ایسی صدارت سے انکار کر دیں۔ کیونکہ اس وقت کانگرس ہندو مہاسبھا کی قائمقام ہے۔ جناب سروجنی نیڈو کی صدارت کے وقت الہ آباد میں جو کچھ ان کے استقبال کے وقت ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر انصاری صاحب سے پوشیدہ نہیں ہوگا۔ جو لوگ ایک واجب الاحترام خاتون کے متعلق محض اس کی حق گوئی کے سبب سے یہ سلوک کر سکتے ہیں وہ ایک مسلمان سے کیا کچھ نہیں کر سکتے ہم نے محض خیر خواہی کے رنگ میں ڈاکٹر صاحب کو یہ مشورہ دیا ہے۔ ورنہ وقت آئے گا جبکہ ان کو ہمارے ساتھ اتفاق کرنا پڑے گا۔

ایک سوداگر کی آواز

جناب سیٹھ ایم۔ اے غفار جنرل فروٹ مرچنٹ لکھتے ہیں کہ:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب اخبار نور

مہربانی فرما کر میرے نام وی پی ایک سال کے لئے کریں۔ اور میرے اس خط کے مضمون کو درج اخبار کر دیں میں آپ کا اخبار ایک سال سے دیکھ رہا تھا۔ اور مجھے یہ دیکھ کر بے حد صدمہ ہوتا ہے۔ کہ عام مسلمانوں کو اس طرف جلد توجہ کرنی چاہیئے۔ کہ ایسے مجاہد اخبار کی مدد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر تمام مسلمان مل کر اس طرف توجہ کرتے تو کبھی اشدھی کا جانگداز واقعہ پیش نہ آتا۔ اگر ہم سب متفق ہو کر اس پرچہ کی اشاعت کی طرف توجہ کریں تو انشاء اللہ تھوڑی مدت میں ہی کایا پلٹ ہو سکتی ہے۔

دیانت داری و خوش معاملگی

اول تو ہر ایک کام میں دیانت داری کی ضرورت ہے۔ پھر خصوصاً تجارت کے لئے تو اس کی اشد ترین حاجت ہے۔ نور ایند سنز نے کچھ عرصہ سے ادویات کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ اور جس گاہک کو ایک دفعہ بھی اس فرم سے معاملہ پڑا۔ وہ ہمیشہ کے لئے گرویدہ ہو گیا اور یات کا ہر ایک کے لئے مفید ثابت ہونا بہت مشکل ہے نسخہ کا پورا اثر آنا بھی بڑی بھاری کامیابی ہے۔ اگر نور اینڈ سنز کی کسی دوا سے کبھی کسی کو فائدہ نہ ہوا تو ہم نے اپنا اطمینان کرنے کے بعد بعض حالات میں قیمت واپس کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ہمیں ہمیشہ گاہک کی ہمدردی کا خیال رہتا ہے۔ گاہک کے فائدہ پر ہم نے ہمیشہ اپنے فائدہ کو قربان کیا ہے۔ اس فرم کی مشہور ادویات

KHILAFAT LIBRARY

میں سے اکسیر البدن ہی نظر آپ ہے ۔ جو جملہ کمزوریہائے جسمانی و دماغی کے لئے اکسیر اعظم ہے ۔ مگر محض اس لئے کہ موسم گرما میں گرم مزاج والوں کا اسے برداشت کرنا مشکل ہو تو ہم نے گرمی کے موسم میں اس کا اشتہار ہی بند رکھا اس دیانت داری اور خوش معاملگی کا یہ نتیجہ ہے ۔ کہ جس صاحب نے ایک دفعہ بھی اس کمپنی سے دوا طلب کی دوبارہ اسے خواہ کسی دوا کی ضرورت پڑی سب سے اول اس نے اس کمپنی کی طرف ہی رجوع کیا ۔ چنانچہ ایسے خطوط میں سے ایک خط بطور نمونہ درج ذیل ہے ۔ جناب پیر ولی اللہ صاحب سراانواں ضلع فیروز پور سے لکھتے ہیں کہ ۔

پہلے میں نے آپ کے کارخانہ سے موتی دانت پوڈر منگوایا تھا ۔ جو مفید ثابت ہوا ۔ اب مجھے کان کے درد کی شکایت ہے اگر آپ کے پاس کان کے درد کی دوا ہو تو بذریعہ وی پی بھیجدیں ۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو تو پھر آپ مجھے ایسے شخص کا پتہ دیں ۔ جس سے اس مرض کی عمدہ دوا مل سکے ۔ چونکہ مجھے آپ پر اعتماد ہے ۔ اس لئے یہ تکلیف آپ کو دیتا ہوں ان کو براہ راست یہ جواب دیا گیا ۔

کہ نور اینڈ سنز کے ہاں کان درد کی دوا نہیں اس لئے تعمیل ارشاد سے معذوری ۔ ہمارے کارخانہ میں موتی دانت پوڈر جس کا آپ تجربہ کر چکے ہیں ۔ اور موتی سرمہ رجسٹرڈ جو جملہ امراض چشم کے لئے آج مسلم علاج ہے ۔ قیمت فی تولہ دو روپے آٹھ آنے ۔ اور اکسیر البدن رجسٹرڈ جو جملہ کمزوریہائے جسم اور دماغ کے لئے اکسیر ہے ۔ قیمت ایک ماہ کی خوراک پانچ روپے ۔ اور اکسیر معدہ جو معدہ کی کل بیماریوں کے لئے تریاق ہے قیمت ایک شیشی جو مدتوں کے لئے کافی ہے دو روپے ۔

مندرجہ بالا ادویات اس وقت موجود ہیں ۔ خواہشمند احباب فائدہ اٹھائیں ۔ ملنے کا پتہ

منیجر نور اینڈ سنز نور بلڈنگ قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

انا للہ وانا الیہ راجعون

[illegible] اڈیٹر کی ڈاک بھی بہت عجیب ہوتی ہے ۔ ایک ہی وقت میں ، سے مختلف جذبات سے گذرنا پڑتا ہے اگر ایک خبر خوشی کا مژدہ لاتی ہے ۔ تو دوسری اندوہ کا پیغام ۔ مولوی محمد فیروز الدین خان صاحب بی ۔ اے انسپکٹر مدارس جو خاکسار ایڈیٹر نور کے کرم فرما تھے ۔ اور جو بہت حد تک میری رشد و ہدایت کا موجب بنے تھے ۔ ۱۳ اگست کو انکے صاحبزادہ کا خط آیا کہ آپ ۱۱ اگست کو ہمیشہ کے لئے اس دار فانی سے کوچ کر گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے ۔ تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے ۔ اپنی بڑی صاحبزادی خدیجہ بیگم ایم ۔ اے (آنرز) کو اعلیٰ تعلیم دلائی جو آج کل لاہور کے زنانہ کالج میں پروفیسر ہیں ۔ اسلام کے آپ بہت بڑے حامی تھے کوئٹہ میں میری حمایت کی وجہ سے ایک دفعہ ہندوؤں کی طرف سے آپ کے برخلاف وہ سخت پروپیگنڈا ہوا کہ خدا کی پناہ ۔ مگر آپ نے نہایت مردانگی سے اس کا مقابلہ کیا ۔ اس کے بعد ہمارے تعلقات دن بدن بڑھتے ہی گئے ۔ مرحوم معقول پسند واقع ہوئے تھے ۔ جب میں نے آپ کو قادیان آنے کی دعوت دی ۔ تو آپ فوراً آمادہ ہو گئے اگر آپ کی عمر وفا کرتی ۔ تو آپ ضرور قادیان پہنچتے جیسا کہ ان کے صاحبزادہ کے خط سے ظاہر ہے ۔ جو درج ذیل ہے

مشفقم شیخ صاحب ۔

السلام علیکم ۔ نہایت افسوس سے آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ والد مرحوم خانصاحب مولوی محمد فیروز الدین خان بی ۔ اے ریٹائرڈ انسپکٹر مدارس صوبہ سرحدی و میونسپل کمشنر بنوں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو نہایت خاموشی و آرام سے ۱۱ اگست کی صبح کو کوچ کر گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یہ صدمہ ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے ۔ ہائے افسوس والد داغ مفارقت دے گئے ۔ بنوں سے ہزارہا اشخاص نماز جنازہ میں شامل ہوئے ۔

چونکہ آپ سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے ۔ اس لئے آپ کو اطلاع دی جاتی ہے ۔ آپ سے ملاقات کے لئے ہمیشہ مشتاق کرتے رہے ۔ اور قادیان آنے کے لئے چند بار تیار ہوئے (اگر ان کی عمر کچھ اور وفا کرتی تو وہ ضرور قادیان پہنچتے کیونکہ مرحوم کا میرے ساتھ پختہ عہد تھا ۔ نور) مرحوم اپنے پیچھے دو بیٹیاں جن میں سے ایک اس وقت پروفیسر ہیں ۔ اور دوسری نے ابھی بارہ سال کی عمر میں میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا ہے ۔ تین بیٹے ۔ ایک بی ۔ اے دوسرا میڈیکل کالج میں ۔ اور تیسرے نے بہن کے ساتھ میٹرک پاس کیا کر کے کالج میں داخل ہوا ۔ کہ یہ صدمہ پہنچا ۔ دعا کریں کہ خدا ہم کو صبر کی توفیق دے ۔ اور ان کو جوار رحمت میں جگہ دے ۔ آمین خاکسار ۔ نجم الدین خان

ایک عزیز کا خط

جناب ڈاکٹر ملک بشیری میڈیکل افسر چاریار (خلیج فارس) سے لکھتے ہیں کہ

محترم بزرگ جناب شیخ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ کل کے پرچہ سے آپ کے اعدا کی علالت طبع کی خبر معلوم کر کے بیحد تشویش ہوئی ۔ آپ کی بیماری خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے تھے ۔ بہت ہی تکلیف دہ ہے آپ کا وجود پاک ہمارے لئے باعث رحمت و برکت ہے آپ حقیقتاً اسلام کے فاتح جرنیل ہیں ۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے ۔ کہ آپ کا ہاتھ بٹائیے ۔ اور آپ کی کوششوں کو بارآور کرنے میں ہر ممکن کوشش سے دریغ نہ کرے بحیثیت طبیب ہونے کے آپ کو مشورہ دیتا ہوں ۔ کہ اپنی صحت کو مقدم رکھیں ۔ اگر بدن میں جان ہو گی تو تمام کام آسانی سے کر سکیں گے ۔ اگر ہاتھ پاؤں میں جنبش نہ ہوئی تو سب کام ادھورے رہ جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خود حفاظت فرمائے ۔ تا آپ بڑھ چڑھ کر دینی خدمات میں حصہ لے سکیں آمین ۔

مجھے ہر وقت نور کی توسیع اشاعت کا خیال رہتا ہے خدا تعالیٰ خود دستگیری فرماتا ہے ۔ کہیں نہ کہیں سے خریدار مل ہی جاتا ہے ۔ فی الحال آپ راجہ محمد زمان خانصاحب احمدی اور سیر مسقط کی طرف سے ایک سکھ کے نام اخبار جاری کر دیں ۔ اور جس کے نام جاری کریں ۔ اس کی اطلاع میرے پاس بھیجدیں تا میں راجہ صاحب کو مطلع کر دوں اخبار کی قیمت میں کراچی سے آپکو بھجوا دونگا ۔"

میرے دوست میاں محمد رمضان صاحب کراچی سے لکھتے ہیں ۔ کہ آپ کو چھ روپے بذریعہ منی آرڈر کر دیئے گئے ہیں رسید سے مطلع فرمائیں ۔ ان کے پتہ پر نمونہ کا پرچہ بھیجدیں اور ایک خط لکھدیں کہ میرے ایما پر یہ پرچہ بھیجا جاتا ہے اور تبلیغ اسلام میں حصہ لینے کی تلقین کریں وہ بڑے کام کے آدمی ہیں ۔ دعاؤں میں ضرور یاد کریں ۔

نور ۔ میں اسلام کا جرنیل نہیں ۔ بلکہ ادنیٰ ترین خادم ہوں [illegible]

KHILAFAT LIBRARY

مراسلات

طلاق کے خلاف عیسائی گرجا

(جناب مولوی محمد ظفر صاحب ایم ۔ اے ۔ ایل ایل بی)

انجیل نے طلاق کے خلاف فتوٰی دے رکھا ہے۔ چنانچہ گرجا نے طلاق کے خلاف ایڑی چوٹی کے زور لگائے۔ لیکن رفتار زمانہ کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ گئی۔ ایک فرقہ رومن کیتھولک سے علیحدہ ہوگیا۔ اور خود شاہ انگلستان کی پوپ سے محض بیویوں کی طلاق پر جنگ تاریخی ضرب المثل ہے۔ اسی زمانہ سے پراٹسٹنٹ مذہب اختیار کیا۔ جو بہت کچھ پادریوں کی گلوگیریوں سے آزاد ہے۔

حال میں امریکہ کے ایک پادری نے ایک بڑے زور کا اپیل شایع کیا ہے۔ جس میں طلاق کی مخالفت کی گئی ہے اور ہر کس و ناکس سے اس نے استمداد کی ہے۔ لیکن وہ عیسائیوں کی کمزور عمارت میں پناہ لینے کی بجائے کاش اسلام کی طراوت بخش اور نزہت فزا چراگاہ میں قدم رکھتا۔ اور وہاں کے مرغزاروں میں اپنے نشیمن بناتا۔ اسلام نے عیسائیت کو طلاق کا سبق دیا۔ عیسائیت اور دیگر مذہب ایسے معاملات میں نظام قدرت اور انسانی فطرت سے معروف پیکار ہوتے ہیں لیکن اب زمانہ سبق دے رہا ہے۔ کہ خیالی عقاید اور فرضی مسائل کا اب وقت نہیں رہا۔ تہذیب و ترقی پکار پکار کے عمل عمل کا مطالبہ کر رہی ہے۔

پادری صاحب کے اپیل کا لفظ لفظ لکھنے والے کے مذہب کی بیچارگی کا اعلان کر رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ طلاق کی عدالتوں کے دروازے ہر وقت کھلے رہنے کا ہی یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج طلاق ایک معمولی چیز ہوگئی ہے۔ اور طلاقوں کی تعداد بہت زیادہ نظر آرہی ہے۔ گو میری ہمدردی ہر اس بدنصیب جوڑے کے ساتھ ہے۔ جن کی شادی نے باہمی یگانگت اور محبت پیدا نہیں کی بلکہ اس کا انجام غم و الم پر ہوا۔ بایں ہمہ طلاق کی روز افزوں کثرت مجھے مجبور کرتی ہے۔ کہ میں ہشیار باش کا نعرہ بلند کروں۔ اور بتاؤں کہ طلاق کے مقدمات کی کثرت ہمارے تمام تمدنی نظام کو درہم برہم کر رہی ہے۔ خانہ داری کی عمارت کو تزلزل میں ڈال رہی ہے۔ اور ہماری من حیث القوم زندگی کے لئے زبردست دھمکی بنتی جارہی ہے۔ ہم روز مرہ ایسی طلاقوں کی اطلاعیں اخباروں میں دیکھتے ہیں۔ جو پیرس اور دیگر مقامات میں حاصل کی جاتی ہیں۔ اور ان مقدمات کے فریقین میں سے اکثر کو ہم ان کی ذاتی شہرت کی وجہ سے بخوبی جانتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ فریقین معمولی سے معمولی بہانہ پر عدالت کا دروازہ جا کھٹکھٹاتے ہیں اور اپنے خدا کے احکام اور اس کے اور تمدن اور ملک کے ساتھ اپنے فرائض کو بھول گئے ہیں۔ اکثر مقدمات میں طلاق کا اصل منشا پہلی بیوی سے نجات حاصل کر کے دوسری عورت سے شادی کرنا ہوتا ہے۔ اکثر حالات میں طلاق لیتے وقت نئی شادی کا ارادہ دل میں قایم ہو چکتا ہے۔ بلکہ اس کا انتظام بھی کیا جاچکا ہوتا ہے۔ آپ اس کیفیت کا اسفل پہلو خود اپنے پیش نظر رکھ سکتے ہیں۔ اس طریقہ سے صاف ظاہر ہے کہ خاندان کے اصل درجہ کا بحیثیت ایک نظام کے خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ اس سے شادی کا منشا فوت ہوتا ہے۔ اور اس طرح یہ ایک عارضی شے رہ جاتی ہے۔ جو فریقین کی مرضی ہے جب جی چاہے۔ ختم کی جاسکتی ہے۔ ایک گھر کیسے قایم رہ سکتا ہے۔ جب یہ کھٹکا لگا رہتا ہو۔ کہ ذرا سی بات پر آن واحد میں یہ تعلق ہی ختم ہو جائے گا۔ یا تو اس وجہ سے کہ جو اس مقدس تعلق کی وجہ سے یکجا ہوئے ہیں۔ ایکدوسر سے تنگ آگئے ہیں۔ یا ان ہی سے ایک کا دل دوسری جگہ الجھ گیا ہے۔ اور بلا طلاق دوسری یکجائی ہو نہیں سکتی خانہ داری کبھی قایم نہیں رہ سکتی جب تک اس کی ماکیرگی اور استقلال کا یقین نہ ہو . . . .

. . . .

یہ طریقہ مہذب نہیں بلکہ وحشیانہ ہے۔ ایسے بچہ کا خیال کیجئے جو دوران شادی میں پیدا ہوا۔ لیکن فریقین الگ الگ ہو گئے۔ آہ! دل از صدمہ سے چاک چاک ہوا جاتا ہے اگر طلاق آسانی سے نہ مل سکے۔ جیسے کہ کناڈا میں حالت ہے۔ تو لوگ بات بات پر عدالت میں کھینچے نہ چلے آئیں۔ اور معمولی معمولی جھگڑے ختم ہو کے فریقین ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے پر آمادہ ہو جائیں۔ شکایات آہستہ آہستہ سب رفع ہو جائیں۔ اس کے لئے ہمیں جمہور کے جذبات کی برانگیختی اور پھر قانون سازی کی ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم شادی اور اس کے فرائض کی تعلیم جمہور کو دیں۔ اور لوگ مذہب کے زیادہ واقف بنائے جائیں۔ کیونکہ طلاق ان لوگوں میں زیادہ رائج ہے جو کہ مذہب سے ناواقف ہیں۔

یہ پادری صاحب کی اپیل ہے۔ اس پر اخبارات رائے زنی بھی کر رہے ہیں جس کا لب لباب یہ ہے۔ کہ اس اپیل کا گرجا تو خیر مقدم کرے گا لیکن گرجوں کے سامعین بالکل اس پر سرد مہری کا اظہار کریں گے۔ چنانچہ ایک اخبار گرٹ ٹائمز لکھتا ہے کہ گذشتہ صدی میں جو نمایاں تر تغیرات ہمارے نظام میں واقع ہوئے ہیں۔ بڑی حد تک وہ شادی کے دستور العمل کی کمزوری اور بربادی کا باعث ہوئے ہیں۔ شادی اب وہ باہمی شراکت نہیں سمجھی جاتی جیسی کہ یہ کبھی تھی۔ بیویوں سے توقع نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے شوہروں کی رفیق کار ہوں۔ جیسی کہ پہلے وہ کبھی ہوا کرتی تھیں۔ اب عورتیں کفایت شعاری کر کے اپنا ذخیرہ الگ رکھ سکتی ہیں۔ اب انہیں کافی آزادی حاصل ہوگئی ہے۔ اگر باہمی زندگی خوشگوار نہ ہو تو وہ علیحدہ ہو سکتی ہیں۔ اور اس سے ان پر کوئی کلنک کا ٹیکہ نہیں لگتا یہ سب باتیں پادری صاحب سے اس اپیل کے لکھوانے کا موجب ہوئی ہیں۔

زمانہ کی رفتار بہانگ دہل اس بات کا مطالبہ کر رہی ہے۔ کہ غیر اسلامی فرقے اپنے دقیانوسی عقاید کو چھوڑ کر اسلام کی طرف آئیں۔ اسلام نے ۱۳ سو برس پہلے شادی کے فرائض اور اس کے اصولوں کے قواعد مقرر کر دیئے ہیں۔ پادری صاحب نے حالات سے غمگین ہو کے یہ اپیل فضول شایع کی حالانکہ خود ان کے حواریوں کو اعتراف ہے کہ حاملان مذہب کو ان کا اپیل ضرور پسند آئے گا لیکن عوام الناس اس پر توجہ نہیں کریں گے۔ پادریوں نے عورتوں کو آدمی کے لئے پیدائشی گناہ کا سبب بتایا۔ اور ان کو طرح طرح کے برے نام دینے سے یہ فرقہ کبھی نہیں تھکا۔ لیکن اب زمانہ دکھا رہا ہے۔ کہ عورتوں نے میدان ترقی میں مردوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا ہے۔ عورتیں

پہلوان ہیں، مکہ باز ہیں۔ بڑی پیراک ہیں۔ بڑے بڑے دفتروں میں کام کرتی ہیں۔ سوائے انجن چلانے کے اور ایسے ہی دو چار اور کاموں کے کوئی اور شغل ایسا نہیں جو انہوں نے کر کے مردوں کو یہ نہ دکھا دیا ہو کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش رہ کے ان کے برابر عمدہ کام کر سکتی ہیں۔ یہ فطرت کا تقاضہ نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ ہمارا ایک ہم جنس فرقہ جسے عیسائی مقدس فرقہ انسانی درجہ سے گرا ہوا سمجھتا رہا ہو، اقتضائے فطرت سے میدان ترقی میں گامزن ہوتا ہے۔

اسلام نے طلاق بدمزہ زندگی کے ختم کرنے کے آسان اور بہتر ذریعہ تجویز کیا۔ دیگر مذاہب نے اسے پھٹکار سمجھا۔ ہندو وغیرہ جیسے مذہبوں نے شادی کو ایک قید کا درجہ دیا اگر کسی جوڑے کی بدقسمت اور ناخوشگوار زندگی شروع ہوئی۔ تو پھر اسے کوئی چھٹکارہ نصیب نہیں ہو سکتا کیسی سختی کی بات ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایسے جوڑے کو خوشی کا منہ کبھی نہیں دکھائی دے سکتا۔ یا وہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلے یا ہمیشہ تنور غم میں جلتا رہے۔

لیکن محض دوسری شادی کی فکر میں ایکدوسرے سے چھٹکارہ حاصل کرنا بھی ایک زبردستی ہے۔ عورت نہیں چاہتی لیکن مرد اولاد کی خواہش میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیسا ظلم ہے۔ کہ پہلی عورت کو طلاق دے کے اسے ہمیشہ کے لئے غمزدہ کر دیا جائے۔ جیسے نپولین نے اپنی پیاری بیوی جوزفین کو کیا۔ اور پھر خود مدۃ العمر غموں میں مبتلا رہا۔ دونوں ایکدوسرے سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے لیکن عیسائی مذہب کے قوانین کے مطابق نپولین بغیر طلاق کے دوسری عورت سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔

عورت کی حفاظت مہر سے قایم کی گئی ہے۔ مردانہ دھند طلاق دے کے اپنے لئے بربادی نہیں خرید سکتا عورت کے لئے مہر معجل وموجل میں دنیاوی سہولت اور گذارہ کی صورت محفوظ کر دی گئی ہے۔ ہم نے ایسے رئیس دیکھے ہیں۔ جنہوں نے جوانی کے از ہے ولولے میں پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی۔ پہلی بیوی نے عضہ میں مہر کی نالش کی اور وہ ایک ہی قرقی میں اپنی ریاست گنوا بیٹھے اور بعد میں پہلی بیوی سے بگاڑ نے پر پچھتائے۔

شادی ایک معاہدہ ہے۔ بیوی اسے آرام و آسائش

آزادی اور طلاق کے متعلق اپنے حسب منشاء شرائط کابین نامہ میں لکھوا سکتی ہے۔ چنانچہ دہلی اور اس کے نواح میں برابر رواج ہے۔ کہ لڑکی والے لڑکے سے مہر کے علاوہ گذارہ اور چاندان وغیرہ کا جداگانہ اقرار لکھوا لیتے ہیں۔ لڑکے کی بدعنوانیوں کا بہت سے مقدمات میں ایسے اقرار ناموں کو زبردست علاج ثابت پایا گیا ہے۔ اگر چار بیویاں ہوں اور آیت قرانی کے مطابق انسان کے برتاؤ کی تقسیم کی جائے پھر پادری صاحب کو اپنے ملک کے بداخلاقی کے رواج پر آواز اٹھانی تھی۔ کہ طلاق لینے سے پہلے ہی بسا اوقات آنکھیں لڑ جاتی ہیں۔ اور اسی لئے طلاق ایک بہانہ ہوتا ہے کہ پہلے تعلق ختم ہو کے آزادی ملے۔

اسلام کے قوانین شادی سے استفادہ کر کے مرد و عورت ایکدوسرے کے خلاف تعفیت ہی نہیں کر سکتے۔ آج کل اگر کوئی فریق نقصان اٹھاتا ہے۔ تو محض سادہ لوحی اور ناواقفیت سے جو اسلامی احکام سے آشنا نہ ہونے کی وجہ سے اپنے حقوق کے استعمال نہیں کر سکتے۔

اسلام نے بعد طلاق دوران شادی کی اولاد کے جو حقوق رکھے ہیں۔ اگر پادری صاحب انہیں معلوم کر لیں تو پھر ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ دودھ پلانے تک کی جو پابندیاں باپ پر عاید کی گئی ہیں۔ عورت کے لئے ایک دل خوشکن منظر ہے۔ اگر وہ خود دودھ پلائے تو اس کے کھلانے پلانے کا بار مرد پر ہے۔ اور اس کی اجرت اسے ادا کرنی لازم ہے۔ اور وراثت میں ایسی اولاد کو برابر حصہ ملتا ہے۔

اللہ اکبر! اسلام نے تیرہ سو برس پہلے کیسے مطابق فطرت احکام ہر امر میں دنیا کے لئے صادر کر دیئے۔ آج تہذیب ترقی پر ہے۔ فطرتی جذبات اور خیالات کا تقاضا ہے۔ لیکن غیر اسلامی مذاہب اپنے مسائل اور عقائد کے اس معاملہ کی تعمیل نہیں کر سکتے۔ دنیا میں صرف ایک مذہب اسلام اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔

آج دنیا اسلام کے بہت قریب آ رہی ہے۔ اور دیگر مذہب کے پیرو اپنے اصلی مذہب سے ہٹ کے اسلامی مسائل اور عقاید کو اپنے میں جذب کر رہے ہیں۔ ہندو مذہب آج توحید کا قائل ہو کے تبلیغ پر [illegible]

لیکن یہ سب اسلام کی برکت ہے۔ عیسائیت انجیل کی تعلیم کو صرف خیالی سمجھ کے اسلام کی عملی تعلیم کی طرف آ رہی ہے۔ ضرورت کے مطابق جو قوانین عیسائی سلطنتیں بنا رہی ہیں۔ وہ پہلے سے ہی اسلام کی مقدس کتاب میں موجود ہیں اسلام کی صداقت اور عالمگیر مذہب ہونے کی یہ بھی ایک زبردست دلیل ہے۔

KHILAFAT LIBRARY

گورنمنٹ اور تعلیم یافتہ جماعت سے

عاجزانہ خطاب

(از جناب مولوی عبد الکریم خان صاحب میرٹھی)

من نمیگویم کہ ایں مکن آں کن۔ مصلحت بیں وکار آسان کن

ابھی کل کی بات ہے کہ مہاتما گاندھی کی آندھی نے ہندوستان کی تمام فضا کو بظاہر مکدر و تیرہ تار کر دیا تھا یا یوں کہو کہ ترک موالات کی آگ نے وہ محشر خیز طوفان پیدا کیا کہ ایوان حکومت میں تہلکہ برپا نہیں ہوا تو زلزلہ ضرور آگیا تھا حالانکہ وہ محض بچوں کا کھیل یا زیادہ سے زیادہ شوریدہ سر نوجوانوں کا ایک جنون آمیز تماشہ تھا لیکن اعتدال پسند تعلیم یافتہ جماعت نے محسوس کیا کہ وہ کانگرس کے مسلک سے علانیہ انحراف کرے۔ اور جماعت علیحدہ قایم کرنے ہی پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ مروجہ طرز عمل کی مخالفت میں اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔

بہ ہار پچوری کے ایک افسوسناک مگر معمولی سانحہ نے گورنمنٹ کی آنکھیں کھولدیں اور یہ جائز بلکہ فرض سمجھا گیا کہ فتنہ و فساد کے مٹانے اور امن وامان قایم کرنے کے لئے تشدد آمیز پالیسی کو ملتوی کے ساتھ اختیار کیا جائے۔

لیکن یہ تعجب خیز اور تردد آمیز امر ہے۔ کہ ہندوستان کی مِن المِلی فضا پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں بجلیاں کوند رہی ہیں۔ تعلیم یافتہ جماعت جمہور ہند کے خونیں تماشہ کو روزمرہ دیکھتے ہوئے بھی غالباً محو خواب و آرام ہے بالعموم مقامی حکام انتظام میں کوتاہی نہیں کرتے اور وہ ہمیشہ ناکام بھی نہیں ہوتے لیکن یہ مسلک واقعہ اور مشاہدہ

KHILAFAT LIBRARY

کہ حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ فتنہ و فساد کی مسموم ہوائیں تیزی و تندی سے پھیل رہی ہیں۔ اور اندر ہی اندر سیاسی ہندوستان کے جسم میں معفن مواد کے پیدا ہو جانے سے وہ ناسور پیدا ہو رہے ہیں۔ کہ ملک کا مستقبل تمامتر ہولناک اور تاریک نظر آتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے کبھی یہ ناسور پھوٹ نکلا تو اس مہابھارت کا رستخیز نمونہ اپنے تعفن سے تمام مشرق کو بدنام کرے گا۔ اور تاریخ میں برطانیہ کا عہد زریں داغدار نظر آئے گا۔ یہ سچ ہے گورنمنٹ پر کوئی الزام رکھنے کے لئے ہمیں کوئی موقع بلکہ جائز حق نہیں ہے۔ لیکن موجودہ صورت حال کا برقرار رہنا۔ بلکہ تیز تر ہونا گورنمنٹ کے وقار اور حسن انتظام کو بٹہ لگا رہا ہے۔ گورنمنٹ کو ذرا مشتبہ خطرہ ہوا تھا تو فوراً مستعدانہ توجہ اس طرف مبذول ہو گئی تھی۔ کہ ترک موالات کے شجر کو ہی جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ اور مزید حفاظتی کوشش کو وسیع تر دائرہ میں جاری کیا جائے۔ زبانی تقریریں اور نصیحتیں بیکار ہیں بلکہ مستقل و منتظم علاج درکار ہے۔ تاکہ فتنہ و فساد کی جڑ ہی ہمیشہ کے لئے کٹ جائے۔

تعلیم یافتہ جماعت کی خاموشی یا بے اعتنائی اور بھی تعجب خیز ہے۔ اجنبی گورنمنٹ سے قدرۃً ہمدردی کی توقع کم ہونی چاہیئے۔ بعض اوقات وہ خود بھی دھوکہ کھا سکتی ہے لیکن تعلیم یافتہ جماعت کی طرف سے انسداد فساد کے لئے کسی سرگرم کوشش کا ظہور میں نہ آنا۔ نہایت تعجب خیز ہے اگر جمہور کا جنون علاج کی حد سے گذر چکا ہے۔ اور قانون کی پناہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تو گورنمنٹ پر کیوں زور نہیں دیا جاتا۔ سچ یہ ہے سنجیدہ تعلیم یافتہ جماعت کی معاونت بغیر گورنمنٹ کامیاب بھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن عملی قدم اٹھانا درکنار کوئی متحدہ و منتظم آواز بھی بلند نہیں کی گئی ہے محض ہے اہے تقریریں یا تحریریں بیکار ہیں۔ اگر ہندوستان ترقی کا طلبگار نہیں۔ بلکہ زندگی کا خواستگار ہے۔ تو اس اہم مسئلہ بین الملی کشمکش پر فوری توجہ کرنی چاہیئے۔

معاملہ کی بدترین صورت یہ ہے کہ چند سال سے فتنہ و فساد کی جو مسموم ہوائیں چل رہی ہیں۔ وہ مذہب اور دھرم کی سمت سے بیان کی جا رہی ہیں۔ حالانکہ مذہب اور اخلاق اور فتنہ و فساد میں بعد المشرقین ہے۔ عقلاً اور نقلاً کوئی مذہب اس کو جائز نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر مذہب فتنہ و فساد کو مٹانے اور امن و امان کو قائم کرنے کے لئے ہی آیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں مذہب و اخلاق کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ دن نہایت منحوس ہو گا۔

ہندوستان کی موجودہ صورت حال اس امر پر دال ہے۔ کہ ہمارے ملک کا مستقبل نہایت ہولناک اور تاریک ہے۔ اور مہلک ترین عیب یہ ہو گیا ہے۔ کہ مقدس مذہب کو اب وحشت اور بربریت کا ہم معنی بنایا جا رہا ہے۔ متفکر طبقہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ مگر مرض کے علاج سے معذور یا محترز معلوم ہوتا ہے۔ تو لازمی نتیجہ کسی روز یہ ہونے والا ہے۔ کہ ہندوستان کی میں فرانس کی تاریخ اپنا سبق دہرا دے۔

لیکن ابھی وقت ہے۔ کہ مہابھارت کی رستخیز قیامت صغرےٰ کا ہولناک ڈرامہ ہندوستان میں نہ ہو۔ تعلیم یافتہ جماعت اپنے فرض کو محسوس کرے۔ اور گورنمنٹ بے خوف و خطر فساد کے مٹانے پر کمربستہ ہو کر بیخ و بن ہی سے دور کرنے کو اپنا اولین فرض سمجھے۔ بے شبہ اس مشکل وقت میں اس کا حل آسان نہیں ہے لیکن یہ روز افزوں اور ہمہ گیر چپقلش ایسی نہیں ہے۔ کہ گورنمنٹ سطحی نظر سے کام لے اور وقتی انتظام کو مقامی حالات پر چھوڑ دے۔ بلکہ مرکزی گورنمنٹ کو مناسب غور و فکر کے بعد فیصلہ کن تدبیر پر استقلال سے عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ غالباً یہ مناسب ہو گا۔ کہ "گول میز کانفرنس" فی الفور منعقد کی جائے۔ مگر سنجیدہ و فہمیدہ اصحاب سے ہی مشورہ ہو مشتبہ و ناقابل اعتماد افراد و ادارات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یا ان کی رائے۔ کو فیصلہ میں شامل نہ کیا جائے ملک میں امن اور اس کے استقلال کے لئے ضروری ہے کہ گورنمنٹ اس اہم مسئلہ کے خاطر خواہ حل کی طرف فی الفور متوجہ ہو کر ہمہ تن مشغول ہو جائے۔ مدنظر اس اصول کو یاد رکھے کہ جو باپ ناہموار و متمرد و سرکش اولاد کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ غفلت کرے گا۔ اس غفلت کا خمیازہ جلد یا بدیر باپ ہی اٹھائے گا۔ اہل سیاست کے لئے پنجاب کی تاریخ میں یہ زریں سبق موجود ہے۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

"ہمیں کیا کرنا چاہیئے"

صدیوں سے اسلامی دنیا تیز گامی کے ساتھ انحطاط اور تنزل کی طرف بسرعت تمام جا رہی ہے۔ کوئی زمانہ تھا متمدن دنیا کا معلومہ حصہ ان ہی کے زیر نگین و زیر اثر تھا۔ نہ صرف سیاسی لحاظ سے ان کا پرچم اقبال ہر جگہ لہرا رہا تھا بلکہ تمدن کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس میں ان کو مجتہدانہ عبور اور استادانہ مرتبہ حاصل نہ ہو۔ لیکن بتدریج اپنے اصول سے انحراف نے ان کو پستی کی طرف دھکیلنا شروع کیا۔ اور آج وہ تحت الثریٰ کے درجہ اسفل السافلین میں گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

ڈر ہے کہیں نام ہی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے

خدا کی شان ہے۔ جو قوم کبھی مغلوب و محکوم تھی وہ آج اس قدر دیدہ دلیر ہو گئی ہے۔ کہ اسلام و پیغمبر اسلام کی شان مبارک میں دریدہ دہنی اور گندہ زبانی ہرزہ سرائی سب و شتم کو فخریہ کارنامہ نہیں مکتی کا ذریعہ سمجھنے لگی ہے جب کیفیت یہاں تک پہنچ جائے۔ کہ شخصی شکایات سے گذر کر ملی حد تک وسعت پذیر ہو۔ اور دانستہ یا نادانستہ قانون خود کو داوری سے مجبور پائے۔ تب غم و یاس کے طبعی حالت میں جذبات کا مشتعل ہو کر طوفان خیز تلاطم پیدا ہونا کچھ بھی تعجب خیز نہیں ہے۔ لیکن ہم کو معلوم اور محسوس ہونا چاہیئے کہ جذبات کا اشتعال بجائے خود ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔ بشرطیکہ عقل و دانش جذبات کی پشتبان ہو۔

ہم نازک ترین دور میں گذر رہے ہیں۔ اور معمولی غفلت یا حماقت اہم نتائج کا باعث ہو سکتی ہے۔ رسول کریمؐ کی عزت کا تحفظ ہر مسلمان کا دین و ایمان ہے۔ لیکن وسائل تحفظ میں ہر شخص حق رکھتا ہے۔ کہ دیانتداری سے اپنی رائے ظاہر کرے۔

پالٹکس شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ مجاہرہ و مظاہرہ خاص حدود میں جائز بلکہ واجب ہے۔ لیکن عقلمند وہی ہے۔ جو نازک وقت میں گھبرا کر پریشان نہ ہو۔ اور آپے سے باہر نہ ہو جائے بلکہ ہوش و حواس سے کام لیکر ایسی تدبیر سے کام لے جو حتی الوسع مضرت سے بچائے۔ اور منزل مقصود تک پہنچائے۔

ہمارا وجود بعینہٖ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان دانہ کی

مانند ہے۔ ہم ایک قوم کے محکوم اور دوسری کے مغلوب ہیں جب ہم ہر طرف سے مجبور و محصور ہیں۔ تو کیونکر ممکن ہے۔ کہ تا قانون کا مقابلہ کر سکیں اور پھر اس کا کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے۔ وسائل وہی اعلیٰ اور کامیاب ہو سکتے ہیں جن سے اعلیٰ نتائج ظہور میں آئیں۔

تمام خرابیوں کی علۃ العلل صرف ہماری کمزوری ہے اگر ہم میں توانائی ہو تو کوئی مرض لاحق نہیں ہو سکتا اگر احیاناً سوء اتفاق سے کوئی صدمہ پہنچ جائے۔ تو نہ صرف برداشت ممکن ہے۔ بلکہ اندمال آسان ہے۔ پس اگر ہم اسلام کے دوست ناداں نہیں بننا چاہتے۔ تو ہم کو بروں کے جواب میں برا نہیں بن جانا چاہیئے۔ بلکہ دانائی سے اپنی محافظت کی فکر کر کے ان کے شکار کی تدبیر واجب ہے۔

پیغمبر اسلام کی مکی زندگی میں ہمارے رہنمائی کے لئے بہترین روشنی موجود ہے۔ اور وہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ انتہائی صبر و استقلال سے تمام مشکلات و موانعات کا مقابلہ کریں۔ اور تبلیغ اسلام کو سب سے اہم اور مقدم کام سمجھیں۔ بلکہ بہترین تبلیغ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی عملی زندگی تبلیغ کا مجسم سرچشمہ بن جائے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب کہ ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ جمہور کے جہل و افلاس دور کرنے کی طرف بھی کچھ توجہ مبذول ہو۔ اور ہر فرقہ ہر طبقہ ہر درجہ کا مسلمان اسلام کے مشترکہ پلیٹ فارم ہی کو دین و دنیا کی نجات کا واحد ذریعہ یقین کرنے لگے۔

اگر ہم راستی پر ہوں۔ تو ہمیں کوئی خوف نہیں۔ مسیحی اور اچھوت اقوام ہمارے سیاسی اتحاد میں بآسانی شامل ہو سکتے ہیں۔ چند ہزار یا چند لاکھ افراد کے کسی طرز عمل سے مشتعل ہو کر تمام ہندوؤں کو اپنا مخالف گمان کرنا صریح حماقت ہے

اگر ہم میں جرأت و ہمت کے ساتھ لیاقت و قابلیت ہو تو شدھی سبھا اسلام کی سفر مبالغہ ہے۔ ایک دن آئیگا کہ ناپاک اور ناحق شناس مخالف اسلام فرقہ ہی اسلام کا سب سے زیادہ مداح اور خدمت گذار نظر آئے گا۔ بشرطیکہ ہم کو اپنے حقیقی دشمن کا احساس ہو۔ کبھی ہمت نہ ہارو۔ اور خدا کے فضل و کرم سے اس صداقت پر کامل بھروسہ رکھو ع
عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ سچ ہے
"عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم"

برادران خالصہ کی توجہ کے قابل

(از قلم چودہری مولاداد خان صاحب از سارچور)

کل اخبار اہل حدیث کا پرچہ نمبر ۴۳/۴۴ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء میری نظر سے گذرا۔ جس کے صفحہ ۱۳ کالم ۲ پر بعنوان "امرتسر میں ہندوؤں اور سکھوں کا جلسہ" ایک اندراج تھا۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ "سرحد پر ہندو سکھ لاکھ جوان بھیجے جائیں۔ جب سے آریوں کے اخباروں میں یہ خبر نکلی ہے۔ کہ رنگیلا رسالہ اور ورتمان رنجیدہ مضامین سے سرحدی افغانوں نے ناراض ہو کر ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے علاقہ سے نکال دیا ہے۔ تب سے آریہ بے چین ہو رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سکھوں کو ساتھ ملا کر جلسے کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حال میں اکالی باغ میں جلسہ ہوا۔ جس میں یہ طے پایا کہ ایک لاکھ آدمی سرحد پر جائے۔ اور ان پٹھانوں کو سیدھا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرحدی پٹھان گورنمنٹ کو دق کرتے رہتے ہیں۔ کروڑہا روپیہ گورنمنٹ کا خرچ ہوتا ہے۔ لہٰذا ان سرحدی پٹھانوں کو سیدھا کرنا دونوں (ہندوؤں اور حکومت ہند) کا مشترکہ مقصد ہے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ ہندو سکھ اگر لاکھ آدمی والنٹیر دیں۔ تو اخراجات جنگ گورنمنٹ پورے کرے ہاں یہ شرط ہے کہ لاکھ آدمی ختم ہو جانے پر اور لاکھ دیں علیٰ ہذہ القیاس جب تک سرحد پوری طرح سیدھی نہ ہو۔"

مقصد تو بہت اعلیٰ ہے۔ خواہ گورنمنٹ عالیہ کا یہ مقصد ہو یا نہ ہو۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ لالہ صاحبان اس وقت کہاں تھے۔ جب جنرل رابرٹ اور جنرل لاک ہرٹ صاحبان جیسے مرد بہادر اس علاقہ کو سیدھا کر رہے تھے۔ اب جبکہ ایک قوم نے اپنا نقصان دیکھکر اور اپنے تمدن کو تباہ برباد ہوتا معلوم کر کے تجارت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا ہے بس اتنے ہی پر کبھی لالہ صاحبان سکھوں کو اپنے ساتھ ملا رہے ہیں۔ کہیں گورنمنٹ کو مدد دے کر اپنا سکہ جما رہے ہیں سکھ قوم خوب جانتی ہے۔ کہ سرحدی علاقہ کا سیدھا کرنا کہاں تک آسان ہے۔ ابھی وہ سکھ بہادر جو سرحدی مورچوں میں خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اکثر زندہ ہونگے لالہ صاحبان کو ان سے پوچھ لینا چاہئے تھا۔ اور پھر ایسے حلقوں میں رائے زنی کرنا اور گورنمنٹ عالیہ کو مشورہ دینا مناسب تھا یہی گورنمنٹ کا کام ہے۔ کہ اس نے اس علاقہ میں امن قایم کیا ہوا ہے۔ ورنہ تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ شاہان اسلام میں سے بڑے بڑے بہادر بادشاہ بھی بغیر نذرانہ دیئے اس قوم سے بے خطر ہندوستان میں داخل نہ ہو سکے۔ غصہ میں آکر بلی بھی شیر پر حملہ آور ہو سکتی ہے۔ مگر کجا شیر کجا بلی۔

لالہ صاحبان نے نہ کبھی کسی جنگی قوم کا مقابلہ کیا۔ اور نہ مشکلات جنگ دیکھیں اور نہ کوہاٹی و دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرے اور نہ کبھی دو دو تین تین دن کی سفری فاقہ کشی کی اور نہ صرف مٹھی بھر چنوں پر گذارہ کیا۔ اور نہ مینہ کی طرح گولی برستی آنکھوں سے دیکھی۔ اور نہ کبھی پہروں پر راتیں گذاریں۔ پھر انہیں کیا معلوم کہ ملک کس طرح سر ہوا کرتے ہیں۔ کیا لاکھ یا دو تین لاکھ جوان اس وقت گورنمنٹ مہیا نہیں کر سکتی۔ اور کیا گورنمنٹ جو آپ لوگوں کو خرچ دے گی۔ (یہ قوم پیسے کی کس قدر پیاری ہے پیسہ پھر بھی ہاتھ سے دینے کو جی نہیں چاہتا۔) وہ اپنی فوج سے جو تعلیم و تربیت یافتہ ہے۔ جس کے مقابلہ میں آپ لوگ طفل ابجد خواں کی طرح ہیں۔ اس کو کام پر لگا نہیں سکتی۔ پھر ایسی حالت کو مشاہدہ کر کے آپ لوگوں کی نسبت یہی خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ جیسے غیظ کی حالت میں انسان باوجود عقل و شعور کے وہ کام کر بیٹھتا ہے۔ جو کہ عقل و فہم سے کوسوں دور ہو۔ اور بعد میں باعث ندامت۔ آپ لوگوں کو رنج ضرور ہے اور مسلمانوں پر غصہ بھی ہے۔ مگر نظر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو نقصان جس کے احتمال کی وجہ سے۔ جو ابھی آپ لوگوں کو نہیں پہنچا کیا مسلمان سینکڑوں برس سے اسے برداشت نہیں کر رہے اور اب جبکہ انہوں نے دیکھا کہ ہماری زندگی کا خاتمہ ہونے لگا ہے۔ تو وہی نسخہ جو آپ لوگ استعمال کر کے تندرست ہوئے اور اس لائق ہوئے کہ گورنمنٹ عالیہ کو بھی جنگی مشورے دینے لگے۔ تو کیا مسلمانوں کا حق نہیں ہے۔ کہ اپنی صحت کے حصول کے لئے وہی مجرب نسخہ استعمال کریں۔ یہ نسخہ خاص آپ کا پیٹنٹ تو نہیں ہے۔ کہ مسلمان مجرم قرار دیئے جا رہے ہیں۔ اس امر کو کس انصاف سے برا منایا جا رہا ہے۔

پھر مشہور کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کو سرحد سے جبراً نکال دیا گیا ہے۔ اور ان کا مال و متاع چھین لیا گیا ہے۔ جیسے کہ اخبار ٹریبون مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۲۷ء

KHILAFAT LIBRARY

میں درج ہے۔ کیسا ظالمانہ اتہام ہے۔ دراصل چونکہ ہندوؤں سے لین دین بند ہو گیا تھا۔ اور ہندو اس قدر اس علاقہ میں نہیں جو کہ وہاں رہ کر وہ دوکانداری پر اپنا گذارہ کر سکتے۔

اور مسلمان دوکانداروں کے لئے دوکانوں اور مکانات کی ان لوگوں کو ضرورت تھی۔ اس لئے خوانین علاقہ نے انہیں نیک مشورہ دیا کہ اب تمہارا کام یہاں نہیں چل سکے گا۔ تم لوگ اب ایسی جگہ چلے جاؤ۔ جہاں تمہارا گذارہ ہو سکے۔ اس بات کو ہندو لوگ درست معلوم کر کے خود بخود وہاں سے چلے آئے۔ اور تمام اقوام افریدی شنواری کوکی خیل وغیرہ نے اپنے جلسوں میں ہندوؤں کی حفاظت کا رزولیوشن پاس کیا اور اس پر پورے طور سے عمل کیا گیا۔ اور حفاظت کے ساتھ انہیں ان کے مقام مطلوبہ تک پہنچایا گیا۔ بحوالہ نامہ نگار الفضل مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۲۷ء۔ سید یوسف شاہ صاحب و ملک نور خان صاحب نے مسمی لال سنگھ دوکاندار کے ۵۷۵ روپے دینے تھے۔ جو بوقت روانگی جواہر سنگھ کو یکمشت ادا کئے گئے۔ اس کے بالمقابل ملک دولت خان صاحب و ملک نور خان صاحب نے مسمی لال سنگھ سکنہ زید خان کلی سے دو ہزار روپیہ لینا تھا۔ بوقت روانگی لال سنگھ کو روپیہ یاد تک نہیں دلایا کہ روپیہ لینا ہے۔ دے کر جاؤ۔ بلکہ ہمدردی سے کہا کہ جب ہو گا بھیج دینا ان سرحدی اقوام کو تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ دین کے بارے میں یہ کیسے غیور ہیں۔ مگر اس وقت یہ سرحدی قبایل اگر ایک باخدا انسان کے مشورہ کے ماتحت نہ ہوتے تو جو سلوک لالہ صاحبان آریوں نے مسلمانوں سے کیا ہے۔ اس علاقہ سے ایک بھی ہندو [illegible] سلامت لے کر نہیں آ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ ان کو بڑی محبت اور امن و امان کے ساتھ بغیر کسی قسم کی تکلیف کے علاقہ انگریزی میں مع مال و اسباب پہنچایا گیا۔ افسوس بجائے شکرگذار ہونے کے الٹے اتہام لگائے جا رہے ہیں۔ اور افغانوں کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ مگر کیا کریں یہ بھی معذور ہیں جب تک ستیارتھ پرکاش کے آخری دو ابواب جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے بزرگوں کو نہایت مذموم طریقہ سے یاد کیا گیا ہے موجود ہیں۔ تب تک اس قوم کی یہی حالت رہے گی۔ خدا وہ وقت جلد لائے۔ کہ اس قوم کو سمجھ آئے تا کہ ملک میں امن قایم ہو۔

اس وقت ہم کو سب سے زیادہ افسوس سکھ بھائیوں پر ہے۔ جو کہ باوجود جاننے کے انجان بن بیٹھے ہیں۔ اور باوجود دیکھنے کے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے مانا کہ آریہ بڑے ہشیار اور چالاک اور مطلب برآر ہوتے ہیں۔ مگر کیا سکھ بھائی باوجود بارہا تجربہ حاصل کرنے کے پھر اپنے بزرگوں کی لالف سے بیخبر ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ جمود ان پر کیوں طاری ہو رہا ہے۔ اگر اپنی تاریخ کو بھول گئے ہیں۔ تو لیجئے مشتے نمونہ از خروارے براہ ہمدردی یاد دلائے دیتا ہوں جس سے آپ ان کی موجودہ ہمدردی کا بخوبی اندازہ لگا سکیں گے۔

(۱) اس قوم کے پیشوا سوامی دیانند صاحب نے حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں جو نا ملایم الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ آپ صاحبان کو ستیارتھ پرکاش میں دیکھنے سے نظر آ جائیں گے۔ میں اپنے قلم کو ان سے ملوث کرنا پسند نہیں کرتا۔ اور دیگر ہندو صاحبان جو باوا صاحب سے سلوک کرتے رہے۔ وہ بھی آپ کی کتب میں درج ہیں۔ یہاں ان کے قلمبند کرنے کی گنجائش نہیں۔

(۲) گورو ارجن دیو جی سے جو لالہ چندو لال نے سلوک کیا کیا اسے پڑھ کر بدن پر رونگٹے نہیں کھڑے ہو جاتے۔ جو ایسا دردناک نظارہ ہے جس کے تصور سے بدن کپکپا اٹھتا ہے۔ چندو لال کون تھا۔ یاد کرو۔ اور پھر چندو لال کو سزا کس نے دی۔ اسے بھی ٹھنڈے دل سے سوچو۔

(۳) پھر گورو ہرگوبند جی صاحب کو قلعہ گوالیار میں کس نے قید کیا۔ یہ چندو لال ہی تھا۔ اور پھر چھڑانے والے کون تھے وہ وزیر خان۔ میاں میر صاحب۔ جلال الدین صاحب اور پھر صرف چھوڑایا ہی نہیں۔ بلکہ ان کی سفارش سے ۲۵ راجہ پہاڑی علاقہ کے شاہی قید سے رہا کر دیئے گئے۔ گورو صاحب کی ہندوؤں پر مہربانی دیکھو اور وہ سلوک چندو لال کا ملاحظہ کرو۔ پھر اس پر ہی بس نہیں۔ بلکہ گورو صاحب کی قدر افزائی کے لئے سات اتواپ اور ڈیڑھ ہزار فوج رکھنے کی بادشاہ کی طرف سے اجازت دی گئی۔ اور تمام علاقہ پنجاب کا انتظام اور حکومت گورو صاحب کو عطا ہوئی۔ اور پھر طرفہ یہ کہ چندو لال کو سزا دینے کے لئے گورو صاحب کے سپرد کیا گیا۔ جو اپنی کیفر دار کردار کو پہنچا۔ اب آپ لوگ اندازہ لگائیں کہ کس سے توڑتے ہیں۔ ...... شر فاد

کا اصول احسان کا بدلا احسان ہوا کرتا ہے۔ جو اپنے محسن سے منحرف ہو۔ اسے آپ کیا کہیں گے۔ بھگوانا کھتری اور دھیری مل کی کارروائیاں گورو صاحب کے خلاف اور پھر حسن علی شاہ عرب نے اس آگ کو جو گورو صاحب کے خلاف جلائی گئی تھی۔ کیسے بجھایا۔ جب گورو صاحب چیچک سے بیمار ہوئے تو حضرت اورنگ زیب شہنشاہ ان کی تیمارداری فرماتے رہے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(۴) جناب گورو تیغ بہادر صاحب کا تمام اسباب دھیری مل نے لوٹا۔ اور پھر ان پر بندوق بھی چلائی۔ گورو صاحب دربار صاحب امرتسر کی زیارت کو تشریف لائے۔ تو ہندو پجاریوں نے اندر نہ گھسنے دیا۔ اور سورج مل نے دربار سے دو میل تک باہر بھی نہ رہنے دیا۔ آخر دریائے ستلج کے کنارہ پر جا کر ٹھہرے۔ دھیری مل کے اکسانے پر رام رائے نے گورو صاحب پر دعوے کیا جو شہنشاہ عالمگیر نے خارج کیا۔ یہ دعوے گدی کا تھا۔ یہ طرح طرح کے دکھ دینے والے کون تھے۔

اور پھر امداد کرنے والے کون تھے۔ یہی مسلمان تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہان اسلام نہایت ہی رعایا پرور تھے باوجود معلوم کر لینے کے ایسی قوم کی اس قدر نوازش کرتے تھے۔ کہ بڑے بڑے بااختیار عہدے ان کو عطا کرتے تھے۔ اور ان کی یہ حد سے بڑھی ہوئی بے ضابطگیاں و بغاوت بھی چشم پوشی سے کام لیا جاتا تھا سیوا جی مرہٹہ کا حال کون نہیں جانتا کہ اس نے شہنشاہ اورنگ زیب کو کس قدر دکھ دیا تھا۔ کہ ملک میں ہر وقت لوٹ مار کرتا رہتا تھا۔ مگر پھر دیکھو تین دفعہ گرفتار کر کے چھوڑ دیا۔ یہ فیاضی اور دریا دلی شاہان اسلام کی تھی۔

کر بھلائے تو کر و گستاخ مارا

بجائے احسان کی قدر کرنے کے دشمن جان ثابت ہوئے

(۵) پھر دسویں بادشاہ گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے بلا دشمن کون۔ وہ راجہ بھیم چندر اور مدد کرنے والا اور حقیقی سجن کون وہ سید بڈھن شاہ صاحب

بھیم چندر کی سازش سے گورو صاحب پر راجہ کرپال چندر راجہ کیسری چندر۔ راجہ سکھدیو۔ راجہ ہری چندر۔ راجہ پرتھی چندر۔ راجہ فتح چند سب مل کر حملہ آور ہوئے تھے۔ جرم کیا تھا۔ صرف یہ کہ گورو صاحب دیوی دیوتا کی پوجا کا کھنڈن یعنی تردید کرتے تھے۔ سید بڈھن شاہ صاحب مع سات ہزار

KHILAFAT LIBRARY

فوج کے ساتھ گرو صاحب کی مدد کو آئے۔ مگر افسوس کہ بدنام ہیں۔ تو مسلمان تو کیا نیکی کا بدلہ بھی ہونا چاہیئے۔ کیا اس سے گورو صاحبان کی پاک ارواح خوش ہوتی ہونگی۔ خدا را غور کریں۔

گرو صاحب کے پانچسو ہندو چیلے بھاگ گئے۔ سید بدھن شاہ صاحب کا فرزند دلبند اس جنگ میں مارا گیا۔ اور گورو صاحب نے فتح پائی۔ بھیم چند نے از روئے چالبازی بعد شکست فاش کے گرو صاحب سے صلح کر لی۔ اور مدد کا عہد کر لیا۔ پھر یہ ہندو بگڑے تو بادشاہ نے بھی گرو صاحب کی ہی مدد کی۔ اور مفسدوں کو درست کیا۔ شہزادہ معظم اس فوج کا کمانڈر تھا پہر ان ہندو راجوں نے گرو صاحب پر بغاوت کا الزام لگایا۔ اور دلی پہنچکر شکایت کی۔ اور نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے شاہی فوج اور گرو صاحب کا مقابلہ کرا دیا۔ عقلمند سکھ اور مسلمان اس وقت کی ہوا کا رخ دیکھیں، اور گرو صاحب ان کی اس چال سے مصیبت میں پڑے اور چمکور پہنچے۔ اور آپ کے بچے معہ اپنی دادی صاحبہ کے گنگا رام پروہت کے ہاں رہے۔ گنگو رام نے نہایت غداری سے صوبہ سرہند کو خبر دیدی لڑکے بلوائے گئے۔ نواب شیر محمد خان نواب مالیر کوٹلہ نے صوبہ سرہند کے پاس بچوں کی سفارش کی۔ صوبہ دار مان گیا۔ مگر دیوان سچا نند نے کہا کہ

افعی را کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست
بچہ اگر عاقبت گرگ زادہ گرگ شود۔

سوچو اور غور کرو سچا نند کون تھا اور نواب شیر محمد خان کون۔ آنکھیں کھولو اور خود نہیں تو پہلو دل سے سبق سیکھو۔ گنگو رام کون تھا قصہ لمبا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ بادشاہ سلامت کو جب اس واقعہ کی خبر ملی۔ تو صوبہ سرہند کو فوراً بلا کسی عذر کے معزول کر دیا۔ اور سچا نند کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ مسلمان تو گرو صاحب کو کندھوں پر اٹھائے پہرے اور گرو صاحب کی خاطر اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالتے رہے۔ اپنے فرزندان کی خاطر قتل کرائے۔ خدا کرے کہ سکھ صاحبان ٹھنڈے دل سے اسپر غور کریں۔

جواب میں اس مضمون کو طوالت سے روکتا ہوں۔ اور سکھ بھائیوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ سابقہ واقعات سے بھی تجربہ حاصل کریں۔ اور ہوا کا رخ دیکھیں۔ خود غرضوں کی

چالوں میں نہ آئیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ کب اور کہاں انہوں نے جنگوں میں حصہ لیا۔ اور تمہارے پہلو بہ پہلو نبرد آزما ہوئے علم اور عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر یہ کس طرح تمہارے ساتھ مل کر جنگ میں اپنی مردانگی دکھا سکتے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس ہاتھی کی طرح جس کو ایک چالاک نے اس کی خوراک کے لئے سبزہ زار کا چکمہ دے کر دلدل میں جا پھنسایا تھا۔ اور اس کے بعد پھر جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہاتھی کی طرح بعد میں آپ بھی پشیمان ہوں مگر پھر کیا ہو سکتا ہے

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

کیا آپ لوگوں کو وہ واقعہ اتنی جلدی فراموش ہو گیا ہے جس کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ جس سے تمام سکھ قوم بلکہ تمام شرفاء کے سینے چھلنی ہو گئے تھے۔ وہ واقعہ کیا تھا غالباً آپ بھولے نہیں ہوں گے۔ کہ

آریہ صاحبان نے جناب بابا بڈھا صاحب اور جناب شرمتی ماتا گنگا دیوی صاحبہ کے سر پر ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا اور ایک کتاب شایع کی تھی، اور وہ کتاب کیا تھی ایک آگ تھی جس نے تمام قوم کے سینے جلا دیئے تھے۔ ریاست پٹیالہ میں اس کے متعلق مقدمہ دائر ہوا۔ دو ملزمان سزا یاب ہوئے اور کتاب ضبط ہوئی۔ اس جگہ آریہ صاحبان کہہ سکتے ہیں۔ کہ دو کس کا فعل تمام قوم پر کس طرح عائد ہو سکتا ہے جس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس سے آریہ بری الذمہ نہیں ہو سکتی کیونکہ تمام قوم سے کسی نے اس پر اظہار نفرت نہیں کیا بلکہ ان دریدہ دہنوں کی رہائی کے لئے کوششیں ہوتی رہیں۔ اور ان کی ہر طرح سے مدد کی گئی۔ پھر ایسی حالت میں قوم کس طرح ذمہ دار قرار نہیں دی جا سکتی۔ اے قوم آریہ راستی اختیار کر موجودہ روش سے آپ لوگ انڈیا کے وارث نہیں بن سکتے۔

برادران! اس قوم نے ہر دو اقوام کو خاک میں ملانے کے لئے کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا۔ اور یہی دو قومیں اس ملک میں جنگی اور بہادر شمار ہوتی ہیں۔ اور گورنمنٹ ان کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ یعنی سکھ اور مسلمان مگر ان لالہ صاحبان کو دیکھئے کیسے ہوشیار اور سمجھدار نکلے ہر دو اقوام کو کس طرح مصائب اور بیوقوفی کے گڑھے میں دھکیلا ہے۔ ان کو سوراج کے سبز باغ دکھائے اور ایسا ہتے چڑھایا کہ گورنمنٹ کے مقابلہ کے لئے کھڑا کر دیا۔ اور آپ پیچھے سبیلیں لگا کر شربت پلاتے رہے۔ زیادہ تر عدم تعاون بنے تو یہی ہر دو اقوام کے افراد یعنی سکھ اور مسلمان لوگوں کو ڈنڈہ فوج بنکر ملازمتوں اور رفاقتوں سے روکا۔ تو انہی نے جاگیریں ضبط ہوئیں تو ان کی ہجرت کر کے بے وطن ہوئے۔ تو یہی۔ مگر لالہ صاحبان ویسے کے ویسے مزے کرتے رہے۔ چند انہیں بوجہ معین ثابت ہونے کے قید بھی ہوئے تو کیا۔ بہرکیف وہ انعامات اور سرفرازیاں جو خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ خوش ہو کر ان قوموں کو دینے والی تھی۔ لالہ صاحبان نے ان سے محروم کرا ہی دیا۔ اور بجائے عزت حاصل کرنے کے گورنمنٹ کی نظر میں بیوقر ہو گئے۔

گویا ہر فساد میں سکھوں اور مسلمانوں کا قدم آگے تھا۔ اور لالہ جی صاحبان مزے سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ سنہ ۱۹۱۹ء دار السلطنت لاہور ان واقعات میں یادگار ہے۔ اب لالہ صاحبان کو پھر خوب موقعہ ملا ہے۔ کہ مطلب برآری کے لئے سرحدی مسلمانوں اور سکھوں کو لڑا کر کسی ایک قوم پر شامت لانا چاہتے ہیں، سکھ صاحبان یاد رکھیں۔ کہ جب سے انہوں نے اپنے آپکو ہندوؤں سے علیحدہ کیا ہے۔ تب سے ہندو جس طرح مسلمانوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ویسے ہی وہ سکھوں کے بھی خیر خواہ نہیں۔ جیسے کہ میں نے اوپر بتلایا ہے کہ سکھوں اور مسلمانوں کو گورنمنٹ کے مخالف کر کے کیسے برباد کیا ہے۔ ایسے ہی اب مسلمانوں اور سکھوں کو لڑا کر ان کی ہستی مٹانا چاہتے ہیں۔ اگر ازمنہ سابقہ کی طرح کوئی گورنمنٹ ہوتی تو سکھ اور مسلمان کبھی کے نیست و نابود ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ بغاوت کی سزا ہی موت ہے۔ دیکھو امیر افغانستان نے باغیوں سے کس طرح اپنی زمین کو پاک کیا تھا۔ مگر لاکھ لاکھ شکر ہے حاکم حقیقی کا جس نے ہمکو ایسی مہربان گورنمنٹ دی جو کہ رعایا کو معصوم بچوں کی طرح قیاس کرتی ہے۔ ورنہ یہ لوگ کیونکر ایسی سرکشی کرتے۔ اور عدالتوں کے حکموں سے لاپروائی کرتے اور گورنمنٹ کو گیدڑ بھبکیوں سے ڈراتے۔ مگر یہی گورنمنٹ ہے کہ رعایا کو معصوم بچوں کی طرح سمجھکر بار بار درگذر سے کام لیتی ہے۔ بعض بچے ایسے ناخلف ہیں کہ اس شفقت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بلکہ ناشکری سے دلیری دکھلاتے ہیں سوائے سکھ بھائیو وقت کی نزاکت کو دیکھو اور گذشتہ واقعات پر نظر کر کے غفلت کو چھوڑ دو۔ اپنے بیگانے میں امتیاز کر دو۔ اپنی جانوں پر اور بال بچوں پر رحم کرو۔ احسان کا بدلہ احسان چاہیئے۔

ٹالا دار دکھ ظلم از نقش بنھو رکھا۔ غلط اشارہ ور ... فارے کا اخفا نہ کرو۔ اب وقت ہے سنبھل جاؤ۔ اپنے بزرگوں کی شان اور آبرو دیکھو۔ اور غیرت کو ہاتھ سے نہ دو اس قوم سے آپ کو یہی فائدہ ...

[illegible] مراد ما نصیحت بود و گفتیم [illegible]